

پڑوسی کے حقوق

عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ
وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ قِيلَ وَمَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ
الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقِهِ . (صحيح بخاری، کتاب الأدب،

باب إثم من لا يأمن جاره بوائقه، رقم: ۶۰۱۸)

”سیدنا ابوشریح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم وہ (بندہ) مومن
نہیں ہے، اللہ کی قسم وہ (بندہ) مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم وہ (بندہ) مومن نہیں۔
دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون شخص ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس
کا پڑوسی اس کے شر سے تکالیف اٹھاتا ہو۔“

عفو و درگزر قرآن وحدیث کی روشنی میں..... ۳

خادم کا قصور معاف کرو:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اس نے کہا:
يَا رَسُولَ اللَّهِ كَمْ نَعْفُو عَنِ الْخَادِمِ؟ فَصَمَتَ! ثُمَّ أَعَادَ عَلَيْهِ الْكَلَامَ فَصَمَتَ، فَلَمَّا
كَانَ فِي الثَّالِثَةِ قَالَ أَعْفُوا عَنْهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً. (ابوداؤد، رقم: ۵۱۶۴)
”اے اللہ کے رسول ﷺ ہم اپنے خادم کا قصور کتنی مرتبہ معاف کریں؟ آپ ﷺ خاموش رہے، پھر اس آدمی
نے اپنے سوال کو دوبارہ دہرایا۔ پس آپ خاموش رہے، جب اس آدمی نے تیسری مرتبہ سوال کیا تو آپ ﷺ
نے فرمایا: ہر روز ستر (۷۰) مرتبہ معاف کرو۔“

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ معاف کرنا ایسی چیز نہیں ہے کہ جس میں حد مقرر کی گئی ہے بلکہ عفو و درجہ کا
تقاضا یہ ہے کہ بہت زیادہ تقاضا کیا جائے۔ ستر (۷۰) کا عدد ایسے موقعوں پر تحدید کے لیے نہیں بلکہ تکثیر کے لیے ہے۔
پہلوان کون؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ. (بخاری: ۶۱۱۴)
”پہلوان وہ شخص نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے بلکہ وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔“
اس حدیث نبوی ﷺ میں بہادر، پہلوان اس انسان کو کہا گیا ہے جو اپنے آپ کو غصے کے وقت کنٹرول میں رکھے اور
اپنے مد مقابل کو معاف کر دے۔

محبوب الہی:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
إِنَّ اللَّهَ عَفْوٌ يُحِبُّ الْعَفْوَ. (صحيح ترغيب: ۲۶۶۰ - مسند احمد: ۴۱۹/۱)
”بے شک اللہ معاف کرنے والا ہے، معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

عفو اور اسوۂ رسول ﷺ:

آپ ﷺ کی حیات پاک عفو و درگزر کا بہترین نمونہ ہے۔ اللہ نے اپنے حبیب اعظم ﷺ کو تلقین کی تھی:
﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ۝﴾ (الاعراف: ۱۹۹)
”اے نبی ﷺ درگزر کیجیے اور نیکی کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے۔“

(عبدالرحیم بلستانی)

فہرست

	پڑوسی کے حقوق	جواہر پارے
	عفو و درگزر قرآن و حدیث کی روشنی میں..... (۳)	کلمہ طیبہ
2	(حافظ احمد شکر)	اداریہ
4	(مولانا ارشد الحق اثری)	درس قرآن
7	(حافظ محمد اشرف سعید)	درس حدیث
10	(مسئلہ صا)	علوم الحدیث
16	(مولانا محمد رفیق اثری)	تذکار سلف
23	(مولانا محمد اسحاق بھٹی)	تذکرہ علمائے اہل حدیث
29	(مولانا محمد اسحاق بھٹی)	تبصرہ کتب
	مقالاتِ راشدیہ (جلد اول)	شعر و ادب
	لالہ کے بھید	
	(ماہر القادری)	

بازی گر

گزشتہ ہفتے بجٹ کا اعلان ہو گیا۔ بجٹ کے فنی طریق کار پر پچھلے ہفتے الاعتصام میں ایک معلومات افزا مضمون شائع ہوا تھا جس میں بیان کیا گیا تھا کہ بجٹ کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اخراجات کو آمدنی کے دائرے میں رکھا جائے لیکن ہمارے ہاں اخراجات کے مطابق رقم اکٹھی کرنے کا نام بجٹ رکھا گیا ہے۔ بجٹ تو الفاظ اور ہندسوں کا گورکھ دھندا ہوتا ہے جس کو اگر جمع تفریق کیا جائے تو نتیجے تک شاید ہی کبھی کوئی پہنچتا ہو۔ بلکہ ہمارے خیال میں حکمرانوں کی یہ خواہشات ہوتی ہیں جو وہ قوم کو الفاظ و اعداد میں الجھا کر ان کی اجازت لینا چاہتے ہیں، بلکہ لے لیتے ہیں۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ ”دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا“ تو یہ بھی خلاف واقع نہ ہوگا تاہم بجٹ سے جو ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ

◎ جاگیرداروں کو زرعی ٹیکس سے بھر بچا لیا گیا۔
◎ یہ بجٹ ۸۵۰ ارب خسارے کا بجٹ ہے۔

◎ اس بجٹ میں سے ۷۹۰ ارب روپے..... ان..... قرضوں..... جو عوام کے کیا کام آئے؟..... کا سود دینا ہے جو ہمارے حکمران لیتے رہے ہیں۔ جب کہ یہ وضاحت ہماری نظروں سے شاید اوجھل ہو گئی کہ وطن عزیز پر کل قرض اتنا ہے وزیر خزانہ، اسٹیٹ بینک اور ایک عرصہ سے فریاد کنان اصحاب درد بار حکومت سے اس بات کا تقاضا کر رہے ہیں کہ حکومت اپنے اخراجات کم کرے خصوصاً غیر ترقیاتی اخراجات۔ جب کہ ترقیاتی اخراجات کا حال یہ ہے کہ جو ترقیاتی فنڈز عوام کے نمائندہ نامی جس مخلوق کو دیئے جاتے ہیں وہ چھ، سات صفروں کے ہوتے ہیں اور وہ ترقیاتی فنڈز عوام تک پہنچتے پہنچتے تین یا چار صفروں تک رہ جاتے ہیں۔ ان فنڈز کی اصل حقیقت یہ ہوتی ہے کہ ترقی کے نام پر یہ ان ارکان پر داد و بخش کی برکھا ہوتی ہے جو کہ ”بوقت ضرورت“ کام آئیں، اور وہ کام آتے بھی ہیں۔

◎ بعض اشیائے خورد و نوش اور ایندھن کی بعض اقسام پر حکومت جو آمدنی رقم دیتی تھی حکومت نے اب اس سے ہاتھ کھینچ لیا ہے یعنی اشیاء پر ٹیکس لگانے کی بجائے ان کا زر تعاون ختم کر دیا ہے جس سے یہ اشیاء یقیناً مہنگی ہوں گی۔

◎ یہ بات تو اب زبان زد عوام ہو چکی ہے کہ وطن عزیز میں تیل و گیس کے بے پناہ قدرتی ذخائر کے ساتھ کونسلے کے وہ ذخائر بھی ہیں جن سے ہمارے سائنس دانوں نے گیس کے علاوہ ڈیزل نکالنے کی بھی پیش کش کی ہے۔ وطن عزیز سونے اور تانبے کی نعمت سے بھی مالا مال ہے۔ وطن کی بھلائی، استحکام اور عوام کی فلاح و بہبود کی خاطر حکومت کو چاہیے کہ وہ غیر ممالک سے کیے ہوئے ان معاہدات پر نظر ثانی کرے جن کے تحت اب تک ان نعمتوں سے ہم استفادہ نہیں کر پا رہے۔ اگر حکومت کے لیے یہ ممکن نہ ہو تو پارلیمنٹ ایک متفقہ قرارداد کے ذریعے حکومت کو ان معاہدات پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کرے، تاکہ وطن عزیز قرض اور سود کی دلدل سے نکلے اور پاکستانی عوام بھی سکھ کا سانس لیں۔ ہمارے خیال میں یہ معاون و ذخائر پاکستان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں اور حسن ظن کی بنا پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ان نعمتوں سے اہل پاکستان ہی مستفید ہوں۔

◎ حکومت اپنے تمام تر اقتدار و اختیار کے باوجود بجلی و گیس کی چوری پر قابو نہیں پاسکی۔ بلکہ بعض حکومتی اداروں کے ذمہ بجلی و گیس کے جوہل ہیں وہ بھی وصول کرنے پر حکومت شاید قدرت نہیں رکھتی حکومت کو اپنی اس کمزوری کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ ان سرکاری ادارہ نگاروں کے نادہندگان کی اکثریت عوام کے خادموں..... یعنی قومی و صوبائی اسمبلی ممبران اور اعلیٰ سرکاری ملازمین..... کی اکثریت ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں کا نرالا دستور یہ

ہے کہ اگر کوئی غریب صارف پانچ ہزار کا نادہندہ ہے تو اس کا میٹر کاٹ دیا جاتا ہے، اگر وہ پانچ لاکھ کا نادہندہ ہو تو اس کا میٹر کاٹنا بہت مشکل ہوتا ہے اور اگر کوئی پانچ کروڑ کا ہو تو اس کا میٹر کاٹنے کی بجائے اور نیا میٹر لگا دیا جاتا ہے۔

○ باخبر اصحاب کہتے ہیں کہ تعلیم کے لیے مختص کی گئی رقم ضرورت سے کم میں یہ بات بھی صحیح ہوگی لیکن ہمارے خیال میں میسر شدہ رقم کا استعمال اگر بروقت اور صحیح ہو تو پھر بھی نتائج بہتر نکل سکتے ہیں۔ یہی حال صحت کے بجٹ کا ہے کہ اس میں مزید بہتری یعنی عوام الناس کو زیادہ، بہتر اور بروقت تعاون ملنے پر توجہ دینی چاہیے۔

بعض ناقدین عساکر پاکستان کے بجٹ کو موضوع تنقید بناتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ تنقید کی بجائے احتساب کا مطالبہ زیادہ موزوں رہے گا۔ دفاعی امور کے اکثر راز ہائے دروں پردہ اکثر سیاست دانوں کی پہنچ سے بالا اور معدے کے لیے بھاری ہوتے ہیں اس لیے افواج پاکستان پر اخراجات کا دباؤ رکھنے سے زیادہ ان کو اپنے شعاری طرف متوجہ کرنا اور ان کی اس شعار (ماٹو) پر توجہ مرکوز رکھنے کی طرف زیادہ دھیان کی ضرورت ہے۔

○ بڑی بڑی کابینائیں بنانے کے بجائے سیاست دانوں کو اپنے آئیڈیل یا محبوب ممالک اور حکومتوں کی تقلید کرنی چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ وہ ممالک کتنے کتنے بڑے ہیں اور ان کی کابیناؤں کا حجم کیا ہے۔

○ عدالت عظمیٰ کو اس بات کا نوٹس لینا چاہیے کہ گیس اور بجلی کی لوڈ شیڈنگ سے بعض آبادیوں کو مستثنیٰ کر دینا احکام اسلامی کی خلاف ورزی تو ہے ہی کیا یہ انسان کے بنیادی حقوق کی بھی خلاف ورزی ہے کہ نہیں؟ اگر محلات میں رہنے والے انسان ہیں تو مکانات اور چھوٹے گھروں میں رہنے والے بھی انسان ہی ہیں۔ ہمارے خیال میں اگر صرف لوڈ شیڈنگ میں ہی صاحب اقتدار پیپلز پارٹی کی مساوات شروع کر دی جائے تو ان شاء اللہ بہت جلد پیش آمدہ مسائل خصوصاً بجلی کا مسئلہ ضرور حل ہو جائے گا۔ یعنی لوڈ شیڈنگ سے ایوان صدر، وزیراعظم ہاؤس، پارلیمنٹ سے کوئی بھی مستثنیٰ نہ ہوں۔

○ توانائی کی بات چل نکلی ہے تو خیال آیا کہ بین المذاہب ہم آہنگی کے غوغے میں..... جو کہ ممکن ہی نہیں..... بین الممالک ہم آہنگی کے لیے حکومت کی خدمت میں ایک یہ گزارش کریں کہ تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام اور مفتیان عظام کی خدمت میں ایک استفتاء بھیج کر پوچھا جائے کہ دین میں خوشی و مسرت کے مواقع..... شب معراج، شب برأت، ۲۷ رمضان، عید الفطر، عید الاضحیٰ، ۱۲ ربیع الاول..... پر بجلی کے قمتھے جلانے اور رات بھر بے مقصد لائٹوں کے جلتے رہنے کا شریعت نے کیا حکم دیا ہے؟ ترغیب دی ہے یا اجازت دی ہے؟ پوری پوری بلکہ کئی کئی راتیں بے مقصد لائٹیں جلتے رہنا صرف اسراف ہی ہے یا تہذیر بھی؟ بلکہ یہ نکتہ بھی اس میں قابل غور ہے کہ اس ساری لائٹنگ کا بل بھی علاقے کے عوام پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے! تاریخ اسلام میں تو اس کے کوئی شواہد یا مثالیں نہیں ملتیں۔ ہاں ہندوستان کے معاشرتی اثرات ہو سکتے ہیں یا مغربیت ہی سے مرعوبیت اور ان کی نقالی! کہ اسلام نے تو ہر عمل خیر و شر کو جزا و سزا سے منسلک کر رکھا ہے جب کہ غیر اسلامی حکومتوں اور معاشروں کے یہ اطوار داد پانا اور تمول کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لیے ہمارا یہ مشورہ ہے کہ حکومت ان ایام میں دین کے نام پر ہونے والے اسراف و تہذیر اور غیر شرعی رسومات پر پابندی اگر لگا بھی دے تو اس سے نہ نظریہ پاکستان پر کوئی حرف آئے گا اور نہ کسی دینی حکم کی خلاف ورزی ہوگی بلکہ من حیث القوم ہم مبذرین کی صف سے باہر نکل آئیں گے، جس سے اللہ تعالیٰ یقیناً راضی ہوگا اور شامت اعمال کے باعث ہم جن آفات میں گھرے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان میں یقیناً تخفیف فرمائے گا اور دوسری طرف توانائی کی بچت بھی بہت ہوگی۔

یہ بات بھی اب کوئی راز نہیں رہی کہ ہمارے حکمرانوں اور سیاست دانوں نے اپنے اپنے خزینوں کے جو فیضے باہر جمع کر رکھے ہیں وہ اگر وطن عزیز میں واپس لے آئیں تو ہمارے بہت سے معاشی دلدرد دور ہو سکتے ہیں، معیشت بہتر ہو سکتی ہے اور کم از کم ہماری در یوزہ گری تو ختم ہی

تفسیر سورة الفاطر

مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ

ذکر کرتا ہے تو اس کا عمل لکھا جائے گا۔ اس کا اسے اجر و ثواب ملے گا، اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کے ذکر و اذکار اور کلمات طیبہ کو قبول کرتا ہے، جو شرک سے اجتناب کرتا ہے۔ (المحرر الوجیز)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بھی علامہ ابن عطیہ رحمہ اللہ کی تائید کی ہے۔

حالات کہ یہاں مسئلہ اجر و ثواب کے ملنے کا نہیں بلکہ ذکر اور اعمال صالحہ کے اوپر چڑھنے اور اللہ کے حضور پیش ہونے کا ہے۔ کچھ اعمال ایسے ہیں کہ ان کے کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ ان کا ذکر فرشتوں کے سامنے کرتے ہیں اور جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی سند کا معاملہ ہے تو اسے ضعیف کہنے کی کوئی معقول وجہ سامنے نہیں آئی۔ ہم نے اس کے ایک ایک راوی کو پرکھا اور جانچا ہے۔ اس کی سند حسن درجہ سے کم نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جو احادیث تمہیں بیان کرتے ہیں۔ تمہیں ان کی تصدیق ہم کتاب اللہ سے کر دیتے ہیں۔

بندہ مسلم جب ”سبحان اللہ وبحمدہ والحمد للہ، ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر تبارک اللہ“ پڑھتا ہے تو ان کلمات کو فرشتہ اپنے پروں کے نیچے سے لے کر آسمان پر چڑھ جاتا ہے، فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتا ہے وہ ان کلمات کو کہنے والوں کے لیے بخشش و مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ کلمات اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور پیش کیے جاتے ہیں۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے یہی آیت ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾ تلاوت فرمائی۔ (ابن جریر، ج: ۲۲۔ حاکم، ج: ۲، ص: ۲۵۰ صحیح الاسناد)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

یہ کلمہ طیبہ، اللہ کی طرف صعود کرتا ہے اور یہی اللہ کے قرب کا اوّل ذریعہ ہے۔ کلمہ اپنے متکلم سے ہے، اس کا اپنا وجود نہیں، اس لیے صعود کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد اللہ کے ہاں قبولیت اور پذیرائی ہے یا یہ کہ اس سے مراد کراماتیں کے صحائف ہیں جو وہ اوپر لے جاتے ہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ فرشتے ان کلمات کو اوپر لے جاتے اور عرش الہی کے قریب پہنچا دیتے ہیں۔ جیسا کہ بعض روایات میں ذکر ہے۔ انہی روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے ”کلمہ طیبہ“ سے مراد تسبیح و تحمید و تہلیل بھی ہے دعاء اور تلاوت قرآن کو بھی بعض نے کلمہ طیبہ قرار دیا۔

اسی کلمہ توحید، ذکر و اذکار کو ”العمل الصالح یرفعہ“ عمل صالح بلند کرتا ہے یہی تفسیر جمہور مفسرین سے منقول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ ”الکلم الطیب“ سے مراد ذکر اللہ ہے اور ”العمل الصالح“ سے مراد فرائض ہیں۔ جو شخص فرائض کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کا عمل اس کے ذکر کو اللہ کی طرف بلند کرتا ہے اور جو اللہ کا ذکر کرتا ہے مگر فرائض ادا نہیں کرتا اس کا کلام اس کے عمل کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ (ابن کثیر، ج: ۳، ص: ۲۵۷)

یعنی جو فرض نمازوں کی پابندی نہیں کرتا اس کا محض ذکر بلندیوں سے ہمکنار نہیں ہوتا۔ کامل بلندی تبھی میسر آتی ہے جب ذکر کے ساتھ فرائض کا بھی اہتمام ہو۔ جس طرح عمل کی قبولیت کے درجات میں اسی طرح ذکر اور اعمال صالحہ کے اوپر جانے کے بھی درجات سمجھنے چاہئیں۔ علامہ ابن عطیہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کی سند صحیح نہیں۔ اہل حق اہل سنت کا موقف اسے رد کرتا ہے، کیونکہ صحیح یہ ہے کہ فاسق جو فرائض کا تارک ہے۔ وہ

ایمان کے لیے ”اخلاص“ شرط ہے اور ایسے شخص کا ایمان اس سے تہی دامن ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَا حُفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ﴾
 ”اور انہیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے، ایک طرف ہونے والے ہوں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں یہی مضبوط ملت کا دین ہے۔“ (البینہ: ۵)

اسی طرف اس آیت میں بھی اشارہ ہے:
 ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (۱۱۰) (الکہف)
 ”پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو تو لازم ہے کہ وہ عمل کرے۔ نیک عمل اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔“

لہذا جو اللہ سے ملاقات کا متنی ہے وہ ایسے اعمال صالحہ کا اہتمام کرے کہ ان میں کسی کی شراکت نہ ہو۔ نہ اپنے نفس کی نہ ہی کسی اور کی بلکہ وہ خالص اللہ ہی کے لیے کرے۔ حدیث میں بھی اس کی وضاحت ہے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من قال لا اله الا الله مخلصاً دخل الجنة .

(البزار)

جو لا اله الا الله خالص ہو کر کہے گا جنت جائے گا۔ یہی کلمہ اخلاص، کلمہ طیبہ ہے۔

﴿وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السِّيَاتِ﴾ ایمان اور عمل صالح کا اہتمام کرنے والوں کے مقابلے وہ بھی ہیں جو برائیوں کی خفیہ تدبیر کرتے ہیں، یعنی کلمہ حق کو نیچا دکھانے کے لیے اور رسول اللہ ﷺ کو پریشان کرنے کے لیے جو خفیہ تدبیریں اور مکر و فریب کے جال بناتے ہیں۔ انہیں عزت کیا ملے گی ان کے لیے تو عذاب شدید ہے۔ مشرکین کی

نے ارشاد فرمایا: جو لوگ اللہ کا جلال، اس کی تسبیح، اس کی حمد، اس کی وحدانیت کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے یہ کلمات عرش کے ارد گرد طواف کرتے ہیں اور ان کی بھنبھناہٹ شہد کی کھبیوں کی طرح ہوتی ہے اور یہ کلمات کہنے والوں کا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ کوئی نہ کوئی تمہارا ذکر تمہارے رب کے سامنے کرتا رہے۔ (مسند امام احمد، ج: ۴، ص: ۲۷۱۔ ابن ماجہ: ۳۸۰۹۔ حاکم، ج: ۱، ص: ۵۰۰، ۵۰۳)

بعض حضرات نے ”یرفعہ“ کی ضمیر فاعل ﴿الکلم الطیب﴾ کو بنایا ہے اور مراد کلمہ ایمان و کلمہ توحید لیا ہے، کہ ایمان ہو تو یہ عمل صالح کو اوپر لے جاتا ورنہ اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ بعض نے ”یرفعہ“ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اعمال کو بلندی عطا فرماتا ہے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے یہ ضمیر عمل صالح کرنے والے کی طرف ہے، کہ نیک اعمال کرنے والے کو عزت اور بلندی حاصل ہوتی ہے۔ یہاں ان تمام معانی کی گنجائش ہے اللہ تعالیٰ ہی عزت اور بلندی عطا فرمانے والے ہیں۔ کلمہ طیب اور عمل صالح کو ہی اللہ کے ہاں پذیرائی حاصل ہے اور اس کا اہتمام کرنے والے ہی باعث عز و شرف ہیں اور یہ ہے اصل عزت، اور یہ حاصل ہوتی ہے ایمان اور عمل صالح سے، یا ذکر و اذکار اور اعمال صالحہ سے، یوں عمل سے عمل قلبی ایمان، اللہ کی محبت اور عمل بدنی دونوں مراد ہیں۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ایمان اور عمل صالح کا۔ لازم و ملزوم کی حیثیت سے ذکر ہوا ہے۔ جس میں اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ عمل کے بغیر تنہا ایمان سے ہمیشہ کے عذاب سے تو وہ بچ جائے گا مگر مکمل مقبولیت اور کامل نجات ایمان اور عمل صالح کی بدولت ہی حاصل ہوگی اور اگر کوئی اعمال صالحہ تو کرتا ہے مگر دولت ایمان سے محروم ہے تو آخرت میں اس کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور عمل صالح بھی کرتا ہے مگر اس کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت ان کی نذر و منت بھی پوری کرتا ہے تو اس کا یہ طرز عمل اس کی تکذیب کرتا ہے، بلکہ اس کا ایمان ”کلمہ طیبہ“ نہیں،

انہی خفیہ تدبیروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ
أَوْ يُخْرِجُوكَ ط وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ط وَاللَّهُ خَيْرُ
الْمَاكِرِينَ ۝﴾ (الانفال: ۳۰)

”اور جب وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، تیرے خلاف خفیہ تدبیر کر رہے تھے تاکہ تجھے قید کر دیں، یا تجھے قتل کر دیں، یا تجھے نکال دیں اور وہ خفیہ تدبیر کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔“

ہجرت سے پہلے کفار نے دارالندوہ میں انہی خفیہ تدبیروں پر غور و فکر کیا اور بالآخر ابو جہل نے مشورہ دیا کہ تمام قبائل سے ایک ایک نوجوان لیا جائے، انہیں تلواریں تھما دی جائیں، یکبارگی سب حملہ کر کے محمد ﷺ کا کام تمام کر دیں۔ یہ بنو ہاشم کس کس قبیلے سے لڑیں گے۔ اس کی تحسین و تائید ہوئی، مگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ چھوڑنے کا حکم فرمایا۔ آپ ﷺ نے اپنے بستر مبارک پر

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رات سونے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ گھر سے سورہ یٰسین پڑھتے ہوئے نکلے اور مٹھی خاک کی ان سروں پر اچھالی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ آپ ﷺ صحیح سالم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ تشریف لے گئے۔ اس نوعیت کی خفیہ تدبیروں دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے خلاف بھی ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی محفوظ رکھا اور رسول اللہ ﷺ بھی محفوظ رہے۔

خفیہ تدبیروں کے تحت ہی آپ ﷺ کو کاہن، جادوگر، شاعر، مجنون کہا گیا، آپ ﷺ کے ساتھیوں سے غنڈہ گردی کی گئی، آپ ﷺ قرآن سنائیں تو شور و غوغا کا آرڈر چلنے لگا اور باقاعدہ فنون لطیفہ کا محاذ نصر بن حارث نے کھولا۔ یوں ان کے رات دن انہی منفی سرگرمیوں میں بسر ہوتے تھے۔ انہی کو خبردار کیا گیا ہے کہ ان کے لیے عذاب شدید ہے اور ان کے تمام کمر اور تدبیروں نیست و نابود ہو جائیں گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کامیابیوں سے سرفراز فرمایا اور ان رؤسائے قریش کو قلب بدر میں نشان عبرت بنا دیا۔

گرمیوں کی چھٹیوں میں تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے جامع تصوروں اور فکری، عملی اور روحانی تربیت کا نادر موقع

21 روزہ فہم دین اقامتی کورس

2 جولائی 2011ء تا 22 جولائی 2011ء

عقیدہ توحید، عبادات، اخلاقیات، معاملات، اتباع سنت، دعوت و تبلیغ،

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ماہر علماء، اساتذہ اور پروفیسر صاحبان کے لیکچرز کے علاوہ

منتخب قرآنی آیات اور احادیث کے دروس

منتخب آیات، منتخب احادیث اور مسنون دعاؤں کا حفظ

تعلیم اور رہائش مفت

زرتعاون برائے طعام و کتب 4000 روپے، زرتعاون کے ساتھ جلد از جلد اپنا نام رجسٹر کرائیں

التوحید اکیڈمی۔ جامع مسجد التوحید

اسٹریٹ نمبر 62، جی ٹین فور، اسلام آباد

0322-506-95 19, 0334-508-90 20, 0300-55-60-900

خلیل الرحمن چشتی



توفیق الباری

”الادب المفرد“ للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات و فوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکروں ٹالامار باغ۔ لاہور)

شَسَعُ أَحَدِكُمْ فَلَا يَمْشِي فِي نَعْلِهِ الْأُخْرَى
حَتَّى يُصْلِحَهُ. ((صحيح مسلم))
”حضرت ابو زین عبداللہؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں
میں نے ابو ہریرہؓ کو دیکھا وہ اہل عراق کو مخاطب کر کے اپنی
پیشانی پر ہاتھ مارتے تھے اور کہتے تھے اے اہل عراق! تم یہ
گمان کرتے ہو کہ میں رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھتا
ہوں، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے لیے تولدت و راحت اور
میرے لیے گناہوں کا انبار۔ میں اس بات کی شہادت دیتا
ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا
ہے، جب تم میں سے کسی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے، تو
وہ ایک جوتا پہن کر نہ چلے، جب تک وہ اس کو ٹھیک نہ
کر لے۔“

باب: إذا ضرب الرجل فخذ أخيه ولم يرد به سوءاً
أبى بھائی کے زانوؤں پر نیک نیتی سے ہاتھ مارنا جب کہ
اس کو تکلیف دینا مقصود نہ ہو

۹۸۵. عن أبي العالية البراء قال: مر بي عبد
الله بن الصّامت، فألقيت له كرسياً فجلس
فقلت له: إن ابن زياد قد أخرج الصلاة فما تأمر؟
فضرب فخذى ضربة - أحسبه قال: حتى أثر
فيها - ثم قال: سألت أبا ذرٍّ كما سألتني،
فضرب فخذى كما ضربت فخذك فقال: صل
الصلاة لو قتها، فإن أدركت معهم فصل، ولا

باب: ضرب الرجل يده على فخذيه عند التعجب أو الشيء
تجب کے وقت زانو پر یا کسی اور چیز پر ہاتھ مارنا
۹۸۳. عن علي رضي الله عنه، أن رسول
الله ﷺ طرّفه و فاطمة بنت النبي ﷺ فقال:
((أَلَا تُصَلُّونَ؟)) فقلت: يا رسول الله إنما
أنفسنا عند الله، فإذا شاء أن يبعثنا بعثنا،
فانصرف النبي ﷺ - ولم يرجع إلّ شيئاً - ثم
سمعتُ وهو مدبرٌ يضربُ فخذَه يقولُ: ﴿وَكَانَ
الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ (صحيح البخاري)
”حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ
ایک رات رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور
فرمایا تم لوگ نماز نہیں پڑھتے (نماز تہجد) میں نے عرض کیا یا
رسول اللہ ﷺ ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں، وہ جب
چاہے گا ہم کو اٹھا دے گا۔ رسول اللہ ﷺ چلے گئے اور مجھ کو
کوئی جواب نہیں دیا، پھر میں نے آواز سنی آپ واپس جا
رہے تھے اور اپنے زانو پر ہاتھ مار کر فرماتے تھے، انسان
جھگڑے میں سب سے بڑھ کر ہے۔“

۹۸۴. عن أبي رزين، عن أبي هريرة قال:
رأيتُه يضربُ جَبْهَتَه يَدِهِ ويقولُ: يا أَهْلَ
العِرَاقِ، أَتَزْعُمُونَ أَنِّي أَكْذِبُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ
ﷺ؟ أَيْكُونُ لَكُمْ الْمَهْنُ وَعَلَى الْمَأْثَمِ؟ أَشْهَدُ
لَسَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: ((إِذَا انْقَطَعَ

تَقُلْ قَدْ صَلَّيْتَ فَلَا أُصَلِّي . (صحیح)

”ابوالعالیہ البراءؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن صامتؓ میرے پاس آئے۔ میں نے ان کے لیے کرسی رکھ دی وہ اس پر بیٹھ گئے۔ میں نے عرض کیا، ابن زیاد نے نماز کو مؤخر کر دیا ہے۔ اس کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے میرے زانوؤں پر ہاتھ مارا اور اتنے زور سے مارا کہ اس سے میرے ران پر نشان پڑ گیا۔ پھر انہوں نے کہا میں نے ابوذرؓ سے اسی طرح سوال کیا تھا، جس طرح تو نے مجھ سے سوال کیا ہے۔ انہوں نے اسی طرح میرے ران پر ہاتھ مارا تھا۔ جیسے میں نے تمہارے ران پر ہاتھ مارا اور یہ فرمایا کہ تو نماز کو اس کے وقت پر پڑھ لے اگر تو ان کے ساتھ بھی نماز کو پالے تو ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لے یہ نہ کہو کہ میں نے نماز پڑھ لی ہے۔ اب میں نہیں پڑھوں گا۔“

فائدہ: وجہ منع کی اس کہنے سے ظاہر یہی ہے کہ اندیشہ فتنہ کا تھا۔

۹۸۶ . عن عبد اللہ بن عمر أخبرہ ، أنَّ عمرَ بن الخطَّابِ انطلقَ معَ رسولِ اللہ ﷺ فی رَهْطٍ مِنْ أَصْحَابِهِ قَبْلَ ابْنِ صَيَّادٍ ، حَتَّى وَجَدُوهُ يَلْعَبُ مَعَ الْغُلَمَانِ فِي أَطْمِ بَنِي مَغَالَةَ وَقَدْ قَارَبَ ابْنُ صَيَّادٍ يَوْمَئِذٍ الْحُلُمَ ، فَلَمْ يَشْعُرْ حَتَّى ضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ ظَهْرَهُ بِيَدِهِ ثُمَّ قَالَ: ((أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ؟)) فَنَظَرَ إِلَيْهِ فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ الْأُمِّيِّينَ . قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ: فَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ؟ فَرَضَهُ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَالَ: ((أَمَنْتُ بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ)) ثُمَّ قَالَ لِابْنِ صَيَّادٍ: ((مَاذَا تَرَى؟)) فَقَالَ ابْنُ صَيَّادٍ: يَا تَبِئَنِي صَادِقٌ وَكَاذِبٌ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((خُلِطَ عَلَيْكَ الْأَمْرُ)) قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنِّي خَبَأْتُ لَكَ

خَبِيرًا)) قَالَ: هُوَ الدُّخَّ قَالَ: ((أَخْسَأُ ، فَلَمْ تَعُدْ قَدْرَكَ)) قَالَ عمر: يَا رَسُولَ اللَّهِ ، أَتَأْذُنُ لِي فِيهِ أَنْ أَضْرِبَ عُنُقَهُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنْ يَكُ هُوَ ، لَا تُسَلِّطْ عَلَيْهِ ، وَإِنْ لَمْ يَكُ هُوَ ، فَلَا خَيْرَ لَكَ فِي قَتْلِهِ)) (صحیح)

قال سالم: وسمعتُ عبدَ اللہ بنَ عمرَ يقولُ: انطلقَ بعدَ ذلكَ النَّبِيُّ ﷺ هو وأُبَيُّ بنُ كعبِ الأنصاريَّ يومًا إلى النَّخلِ التي فيها ابنُ صَيَّادٍ ، حَتَّى إِذَا دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ طَفِقَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَّقِي بَجْدُوعِ النَّخْلِ ، وهو يسمعُ مِن ابْنِ صَيَّادٍ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ يَرَاهُ ، وَابْنُ صَيَّادٍ مُضْطَجِعٌ عَلَى فَرَّاشِهِ فِي قُطَيْفَةٍ لَهُ ، فِيهَا زَمْزَمَةٌ ، فرَأَتْ أُمُّ ابْنِ صَيَّادِ النَّبِيَّ ﷺ وهو يَتَّقِي بَجْدُوعِ النَّخْلِ فقالت لابنِ صَيَّادٍ: أَي صَافٍ - وهو اسمُهُ - هَذَا مُحَمَّدٌ ، فتنَّاهى ابنُ صَيَّادٍ ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((لَوْ تَرَكَتَهُ لَبِئَنَ)) . (صحیح)

قال سالم: قال عبدُ اللہ: قَامَ النَّبِيُّ ﷺ فِي النَّاسِ فَأَثْنَى عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ، ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَالَ فَقَالَ: ((إِنِّي أَنْذِرُكُمْوه ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَ بِهِ قَوْمَهُ ، لَقَدْ أَنْذَرَ نُوحٌ قَوْمَهُ ، وَلَكِنْ سَأَقُولُ لَكُمْ فِيهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ: تَعْلَمُونَ أَنَّهُ أَعُورٌ ، وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِأَعُورٍ))

(صحیح البخاری)

”حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں، میرا والد عمر بن خطابؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابن صیاد کی طرف گئے اس وقت ابن صیاد بنی مغالہ کے ٹیلوں پر لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا وہ اس وقت سن بلوغت کے قریب تھا، اس کو

پیچھے کھڑے ہیں۔ وہ گنگناہٹ سے رک گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر اس کی ماں اس کو خبردار نہ کرتی تو وہ سب کچھ اگل دیتا۔

سالم بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی، جس کا وہ اہل ہے اور پھر دجال کا ذکر فرمایا۔ نیز فرمایا، میں تمہیں اس چیز سے ڈرا رہا ہوں جس سے ہر نبی نے اپنی امت کو ڈرایا حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو ڈرایا تھا۔ لیکن میں تم کو ایسی بات بتانے لگا ہوں، جو کسی نبی نے نہیں بتائی۔ وہ یہ ہے جان لو کہ دجال کا نام ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا نام نہیں ہے۔“

فائدہ: تحقیق یہ ہے کہ ابن صیاد دجال موعود نہیں تھا بلکہ ایک کابھن وضع تھا۔ بعض نے کہا مسلمان ہو گیا تھا اور بعض نے کہا نہیں۔ واللہ اعلم

۹۸۷. عن جابر قال: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَانَ جُنْبًا يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ مِنْ مَاءٍ . قَالَ الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَبَا عَبْدِ اللَّهِ، إِنَّ شَعْرِي أَكْثَرَ مِنْ ذَاكَ، قَالَ وَضُرِبَ [جَابِرٌ] بِيَدِهِ عَلَى فَخْذِ الْحَسَنِ فَقَالَ: يَا ابْنَ أَخِي، كَانَ شَعْرُ النَّبِيِّ ﷺ أَكْثَرَ مِنْ شَعْرِكَ وَأَطْيَبَ .

(صحيح البخاری)

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ جب حالت جنابت میں ہوتے تو غسل فرماتے ہوئے اپنے سر مبارک پر تین لپ چلو بھر کر پانی ڈالتے۔ حسن بن محمد نے کہا میرے بال اس سے بہت زیادہ ہیں (یعنی تین چلو پانی سے بال تر نہیں ہوتے) راوی بیان کرتے ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ حسن کے زانو پر مارا اور کہا اے میرے بھتیجے! رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک تیرے بالوں سے بہت زیادہ اور عمدہ تھے۔“

کسی کے آنے کی خبر نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ مارا۔ پھر اس سے فرمایا کیا تو اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا اور کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ امیوں کے رسول ﷺ ہیں۔ پھر اس نے کہا، آپ بھی شہادت دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں آپ نے اس کو مضبوطی سے دبا کر فرمایا میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد سے فرمایا، تو کیا دیکھتا ہے۔ اس نے کہا میرے پاس سچا اور جھوٹا دونوں آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، تیرا معاملہ خلط ملط ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تیرے لیے دل میں کچھ چھپایا ہے (بتاؤ وہ کیا ہے) تو اس نے کہا وہ درخ ہے۔ آپ نے فرمایا، دفع ہو جا تو اس سے آگے نہیں بڑھے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر یہ وہی ہے تو تم اس پر غالب نہیں ہو سکتے اگر یہ وہ نہیں ہے تو تیرے لیے اس کے قتل کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔

حضرت سالم بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کہتے ہوئے سنا وہ بیان کرتے ہیں۔ کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور ابی بن کعب انصاری ایک دن اس باغ میں گئے۔ جہاں ابن صیاد کی رہائش تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ اس باغ میں داخل ہوئے تو درختوں کی اوٹ میں ہو کر چلے تھے تاکہ ابن صیاد کے پاس پہنچ کر اس کے منہ سے کچھ سنیں۔ وہ چادر اوڑھے اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا اور اس کی گنگناہٹ کی آواز سنائی دیتی تھی۔ ام صیاد نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا۔ آپ ﷺ کھجور کے درختوں کی اوٹ میں کھڑے تھے۔ اس نے ابن صیاد سے کہا، اے صاف (یہ ابن صیاد کا نام تھا) یہ محمد ﷺ ہیں، جو کھجور کے تنے کے

علوم حدیث کا آغاز و ارتقاء..... ایک تحقیقی کاوش

مس ظلہما

کے قوانین اپنی ابتدائی شکل میں کارفرما ہوئے۔ اس ضمن میں صحابہ کرام کے اٹھائے گئے احتیاط پر مبنی ایسے اقدامات کا تذکرہ ملتا ہے جو آئندہ کے لیے مثال اور قانون بن گئے۔ صحابہ نے آپ کے اقوال و آثار محفوظ کرنے کے لیے بے مثال سرگرمی کا مظاہرہ کیا اور آپ کی جملہ تفصیلات کو نقل کیا۔ نقل و روایت کا یہ سلسلہ بے ہنگم اور بلا تحقیق نہیں تھا۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے احوال میں لکھا ہے:

”کان اول من احتاط فی قبول الاخبار۔“

(تذکرۃ الحفاظ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان،

س۔ن، ۲/۱)

”وہ پہلے آدمی تھے جنہوں نے قبول خبر میں احتیاط سے کام لیا۔“

امام ذہبی رحمہ اللہ کے اس قول کی تصدیق درج ذیل واقعہ سے ہوتی ہے:

”ان الجدة جاءت الى ابى بكر تلتمس ان تورث فقال ما اجد لك في كتاب الله شيئاً وما علمت ان رسول الله ﷺ ذكر لك شيئاً ثم سأل الناس فقام المغيرة فقال حضرت رسول ﷺ يعطيها السدس فقال له هل معك احد فشهد محمد بن مسلمة بمثل ذلك فانفذه لها ابو بكر رضی اللہ عنہ۔“ (ایضاً)

”ایک دادی اپنے پوتے کی میراث مانگنے کے لیے حضرت

علوم حدیث کا آغاز اور عہد در عہد اس کا ارتقاء
علوم حدیث کے محرکات اور ان کا پس منظر:

جس طرح ہر علم ابتداء میں غیر مدون ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ مرور زمانہ کے ساتھ اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ علوم حدیث بعینہ ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے چنگی تک پہنچے ہیں۔ جو محرکات و عوامل (ان) محرکات و عوامل کی بنیاد اطاعت و اتباع رسول کی آیات، تحقیق و تفتیش کے قرآنی معیارات، آنحضور ﷺ کے ارشادات جن میں آپ ﷺ کی طرف غلط طور پر بات منسوب کرنے پر وعید، نیز احادیث کی حفاظت و فروغ کی تاکید و تائید، جھوٹ و خباثت سے نفرت، سچ، انصاف پسندی اور تحقیق پسندی کے فروغ کی تشکیل کی وہ مضبوط روایات ہیں جو اجتماعی شعور کا حصہ تھیں۔) مسلمانوں میں حدیث کی حفاظت، تدوین اور اسے جھوٹ سے پاک کرنے میں کارفرما رہے ہیں وہی ان علوم کی نشوونما اور ارتقاء کا باعث ہیں۔

ان علوم کے عہد در عہد ارتقاء کو نور الدین عتر نے ”منہج النقد فی علوم الحديث“ میں بڑی عرق ریزی کے بعد آغاز سے لے کر انتہا تک سات ادوار میں تقسیم کیا ہے ان کی معنویت کے پیش نظر یہاں ان سے استفادہ کیا گیا ہے۔

دور اول:

یہ دور صحابہ سے شروع ہو کر پہلی صدی ہجری کے اختتام تک شمار کیا گیا ہے۔

عہد صحابہ اور علم الحدیث بالروایت:

یہ تشکیل اور نشوونما کا دور ہے۔ اس میں روایت اور اخذ حدیث

وگر نہ آپ کو سزا ملے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ انداز دیکھ کر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا رنگ متغیر ہو گیا وہ اپنے ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس میں آئے، ان میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ہمیں تمام واقعہ کہہ سنایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میری اس بات پر گواہ کا مطالبہ کر رہے ہیں، اس وجہ سے میں پریشان ہوں۔ میری آپ سب سے التماس ہے کہ کیا آپ میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اگر کسی کو تین بار سلام کہنے پر اجازت نہ ملے تو اسے واپس چلے جانا چاہیے؟ اس پر وہاں جس قدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم سب نے رسول اکرم ﷺ سے یہ بات سنی ہے چنانچہ انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو ابو موسیٰ اشعری کی معیت میں بھیجا اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں جا کر اعتراف کیا کہ واقعاً رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے۔ اس شہادت کے ملنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اطمینان کا اظہار کیا اور اس حدیث کے بیان کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔“ (ایضاً)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
”کان امام عالماً متحریراً فی الاخذ بحیث انہ
یستحلف من یحدثہ بالحدیث۔“

(المرجع السابق، ۱/۵۱)

”وہ امام عالم تھے اور روایت قبول کرنے میں چھان پھٹک سے کام لیتے یہاں تک کہ حدیث روایت کرنے والے سے حلف کا مطالبہ کرتے۔“
عہد صحابہ اور علم الحدیث بالدرایہ:

احتیاط کے ان پہلوؤں کے علاوہ صحابہ نے اصول حدیث کی بنیاد رکھتے ہوئے روایات پر نقد سے بھی کام لیا اگر کوئی حدیث نصوص اور قواعد دینیہ کے خلاف ہوتی تو وہ اسے رد کر دیتے۔ اس ضمن میں چند

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو آپ نے فرمایا کہ دادی کے متعلق نہ تو میں کتاب اللہ میں کوئی حکم پاتا ہوں اور نہ ہی رسول ﷺ کا کوئی فرمان مجھے اس بارے میں معلوم ہے۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا تو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے میری موجودگی میں دادی کو چھٹا حصہ دلوا یا تھا۔ پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس پر گواہی دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس گواہی کو بنیاد بنا کر اس خاتون کو چھٹا حصہ دلوا یا۔“

امام ذہبی رحمہ اللہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں:
”وهو الذی سن للمحدثین الثبوت فی النقل
وربما یتوقف فی خبر الواحد اذ ارتاب۔“

(تذکرۃ الحفاظ، ۶/۱)

”انہوں نے محدثین کے لیے روایت میں جانچ پڑتال کا طریقہ وضع کیا اور جب انہیں شک ہوتا تو خبر واحد کو قبول کرنے میں توقف سے کام لیتے۔“

ان کے تقبُّت اور احتیاط کے حوالے سے امام صاحب نے ایک واقعہ نقل کیا ہے:

”ابو موسیٰ اشعری نے کسی کام کی غرض سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر تین بار السلام علیکم کہا وہ اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کر رہے تھے لیکن انہیں کچھ جواب نہ ملا اس کے بعد وہ واپس لوٹے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے پیچھے ایک شخص کو بھیجا کہ ان سے دریافت کرے کہ وہ تین بار سلام کہنے کے بعد واپس کیوں چلے گئے؟ انہوں نے جواب میں کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص تین بار سلام کہے اور اس کے سلام کا کچھ جواب نہ دیا جائے تو اسے واپس لوٹ جانا چاہئے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ہم کلام ہوتے ہوئے کہا کہ اس پر آپ کو دلیل پیش کرنا پڑے گی

امثلہ پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ملتا ہے کہ فاطمہ بنت قیس نے ان سے بیان کیا:

”أَنْ زَوْجَهَا طَلَقَهَا ثَلَاثًا فَلَمْ يَجْعَلْ لَهَا رَسُولَ
اللَّهِ ﷺ سَكْنَى وَلَا نَفَقَةَ۔“

”کہ اس کے خاوند نے اسے تین طلاقیں دیں تو حضور نے
اس کے لیے سکنہ اور نفقہ مقرر نہیں کیا۔“

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی اس روایت کو یہ فرماتے ہوئے
قبول نہ کیا:

”لَا نَتْرُكُ كِتَابَ اللَّهِ وَ سُنَّةَ نَبِيِّنَا ﷺ لِقَوْلِ
امْرَأَةٍ۔ لَا نَدْرِي لَعَلَّهَا حَفِظَتْ أَوْ نَسِيتْ لَهَا
السَّكْنَى وَالنَّفَقَةَ۔“ (مسلم بن حجاج، صحيح مسلم،
دار السلام للنشر والتوزيع، الطبعة الثانية، ۵۱۴۲۱، كتاب
الطلاق، باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها، (۱۴۸۰))

”ہم کتاب اللہ اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو ایک عورت کی
بات کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے ہمیں معلوم نہیں شاید اسے یاد
ہی نہ ہو کہ اس کے لیے سکنہ اور نفقہ ہے یا وہ بھول گئی ہو۔“
کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ
بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ﴾ (الطلاق، ۶۵: ۱)

پس صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن کے مستنبط مسائل سے متعارض احادیث کو
رد کر دیتے تھے۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت
”ان المیت يعذب ببعض بكاء اهله عليه۔“

(صحيح بخارى، كتاب الجنائز باب قول النبي ﷺ
يعذب الميت ببعض بكاء اهله عليه، (۱۲۸۷))

”میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا
جاتا ہے۔“

کے حوالے سے فرمایا:

”يرحم الله عمر، والله ما حدث رسول الله
ان الله ليعذب المؤمن ببكاء اهله عليه،
ولكن رسول الله قال: ان الله ليزيد الكافر
عذابا ببكاء اهله عليه، وقالت حسبكم القرآن
﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ (ايضاً: ۲۸۸)

”اللہ تعالیٰ عمر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، خدا کی قسم حضور ﷺ نے
کبھی یہ بیان نہیں کیا کہ خدا مومنوں کو کسی ایک کے رونے
کی وجہ سے عذاب دیتا ہے لیکن یہ فرمایا کہ بے شک کافر
کے عذاب کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے بڑھا
دیتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ان کی حدیث کے
مقابلہ میں تمہارے لیے قرآن کافی ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے
والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“

اسی طرح کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دیگر مناقشات (تفردات)
کو امام سیوطی رضی اللہ عنہ نے ”عين الاصابه في استدرارك عائشة
على الصحابة“ میں جمع کیا ہے اور یہ بات تنبیہ کے لائق ہے کہ
بے شک صحابہ ضبط حدیث میں احتیاط کے لیے ایسا کرتے تھے نہ کہ
صحابہ پر تہمت یا بدظنی کے لیے۔

اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

”انى لم اتهمك ولكن احببت أن اثبت۔“

(تذكرة الحفاظ، ۸/۱)

”میں آپ کو تہمت نہیں دیتا لیکن میں پسند کرتا ہوں کہ بات
اچھی طرح ثابت ہو جائے۔“

اس طرح احادیث کا درایتی معیار طے پایا لیکن یہاں جرح و
تعدیل کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ اس دور کے راوی صحابہ تھے اور
وہ عدول تھے۔ ان کی تعدیل اللہ اور رسول نے بیان کی ہے اور یہ
بات ان کے شرف و توقیر اور مرتبے کی بلندی کے اعتبار سے کافی ہے
بلکہ ان کے بعد تابعین کے طبقہ میں بھی جرح و تعدیل کی ضرورت نہ

لیکن جب دور فتنہ آیا تو کہنے لگے تم اپنے رجال (راویوں) کے نام بتاؤ تا کہ اہل سنت کی روایت کو قبول کیا جاسکے اور اہل بدعت کی حدیث کو رد کیا جاسکے۔“

دوسرے قدم کے طور پر صحابہ نے لوگوں کو اس بات کی تاکید کی کہ اخذ حدیث میں احتیاط سے کام لیا جائے اور صرف انہی لوگوں سے حدیث لی جائے جو دین اور حافظے کے اعتبار سے ثقہ و معتبر ہوں۔ اس بات کا اس قدر اہتمام کیا جانے لگا اور اس کو اتنی اہمیت دی گئی کہ معاشرے میں ایک قاعدہ مخصوص الفاظ کے ساتھ اشاعت پذیر ہو گیا۔

”ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذون دينكم.“ (المرجع السابق، ۱/ ۴۱)
”بے شک یہ علم (احادیث کا علم) دین ہی تو ہے سو تمہیں ضرور جاننا چاہیے کہ تم اپنا دین کس سے اخذ کر رہے ہو۔“
اس طرح فتنہ وضع حدیث کی روک تھام کے سلسلہ میں قرن اول میں ”علم میزان الرجال“ (جرح و تعدیل) نے نشوونما پائی جو اصول حدیث کی ایک اساس ہے۔ اس دور میں صحابہ میں سے جنہوں نے رجال پر کلام کیا ان میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے نام نمایاں ہیں لیکن یہ کلام ابتدائی نوعیت کا تھا بعد ازاں تابعین میں سے سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ، عامر شعبی رضی اللہ عنہ اور ابن سیرین رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا۔

تیسرا قدم جو اس دور میں اٹھایا گیا اس کا تعلق ”رحلات علم“ سے ہے یعنی حدیث کو اصل راوی سے سن کر ثابت کیا جائے چاہے اس کے لیے لمبی اور پر صعوبت مسافت کو اختیار کرنا پڑے۔ ایسے اسفار کا آغاز خود صحابہ کرام سے ہی ہو گیا تھا چند امثلہ ملاحظہ فرمائیں:

”مشہور صحابی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ شام میں مقیم ہیں ان کے پاس قصاص سے متعلق ایسی حدیث ہے جو انہوں نے نہیں سنی۔ چنانچہ اس حدیث کے حصول کے لیے انہوں نے

تھی کیونکہ انہوں نے صحابہ کے ساتھ پرورش پائی اور نبی کا بہت قریبی زمانہ انہیں میسر آیا۔ اس زمانہ میں اگر احادیث کو رد کیا گیا تو اس لیے کہ وہ باقی اولہ کے معارض ہوتیں۔

عہد صحابہ میں حدیث کی اقسام

عہد صحابہ تک احادیث کو دو اقسام میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔
۱: مقبول جسے بعد میں صحیح اور حسن کا نام دیا گیا اس کی بہت سی اقسام ہوئیں۔

۲: مردود جسے بعد میں ضعیف کا نام دیا گیا۔
فتنہ وضع حدیث اور علوم حدیث کا ارتقاء

قرن فتنہ میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو مختلف مذہبی و سیاسی تعصبات اور گروہوں نے جنم لیا اور بدعتی قسم کے لوگوں نے اپنے اپنے موقف اور گروہوں کی تائید میں احادیث وضع کیں اور یہ سلسلہ روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ ہر گروہ اپنے منفی مقاصد کے حصول کے لیے حدیث رسول کی اہمیت و حجیت کو بطور ڈھال استعمال کرنے کے در پے تھا۔ مذہبی، معاشرتی اور سیاسی اعتبار سے یہ صورت حال انتہائی خطرناک تھی جسے اہل علم نے بروقت محسوس کیا اور حدیث کی حفاظت کا اہتمام اور متعدد ٹھوس اقدامات کیے۔

چنانچہ یہی وہ دور ہے جب پہلے پہل حدیث کے سلسلہ میں اسناد اور رواۃ کے احوال پر بطور خاص توجہ دی جانے لگی۔
امام مسلم رضی اللہ عنہ اپنی صحیح کے مقدمہ میں محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں:

”لم يَكُونُوا يَسْأَلُونَ عَنِ الْإِسْنَادِ فَلَمَّا وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ قَالُوا سَمَوْا لَنَا رِجَالَكُمْ فَيَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ وَيَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ الْبِدْعِ فَلَا يُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ.“ (مقدمہ صحیح مسلم، رئاسة ادارة البحوث العلمية بالمملكة العربية السعودية، ۱۵/۱، ۱۴۰۰)

”پہلے لوگ اسناد کے بارے میں پوچھ گچھ نہیں کرتے تھے

دوسرا دور

یہ دوسری صدی ہجری کی ابتداء سے لے کر تیسری صدی ہجری تک ہے۔

اس دور کا پس منظر

۱۔ اس دور میں لوگوں کا ملکہ حفظ کمزور ہو چکا تھا۔

۲۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے بعد کے باعث صحابہ و تابعین کے مقابلہ میں اسانید طویل اور وسیع ہو گئیں تھیں اور ان میں غیر مستحکم عناصر اور بہت سی علل ظاہرہ و خفیہ داخل ہو گئی تھیں نتیجتاً رواۃ کی معرفت کا مکمل علم اور متن کی صحیح پہچان ایک مشکل مسئلہ بن گیا تھا۔

۳۔ راہ حق سے منحرف بہت سے گروہ نمودار اور مضبوط ہو چکے تھے جیسے معتزلہ، جبریہ اور خوارج وغیرہ۔

اس عہد کی کاوشیں

اس عہد میں پچھلے دور میں کی گئی کاوشوں میں مزید نکھار اور جامعیت پیدا ہو گئی۔

۱۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی سرپرستی میں تدوین حدیث کے سلسلہ کو سرکاری طور پر پورے اہتمام کے ساتھ اختیار کیا گیا۔ اس سرکاری تائید نے مہینز کا کام کیا۔ اور فتنوں کی سرکوبی اور علوم کی طرف عوام و خواص کا رجحان بہت زیادہ بڑھ گیا۔

۲۔ حدیث کی متعدد کتب (الجوامع، المصنفات اور مؤطا امام مالک) لکھی گئیں۔

۳۔ خصوصی ضوابط تشکیل پائے اور احادیث کی صحیح حیثیت متعین کرنے کے لیے اصول وضع کرنے کو وسعت دی گئی۔

۴۔ نقد رجال کو وسعت دیتے ہوئے ائمہ و تابعین کی ایک پوری جماعت اس کام کے لیے وقف ہو گئی۔ ان میں شعبہ بن حجاج رضی اللہ عنہ، سفیان ثوری رضی اللہ عنہ اور عبد الرحمن بن مہدی رضی اللہ عنہ نمایاں ہیں۔

۵۔ غیر معروف شخص سے حدیث لینے سے توقف اختیار کیا گیا۔ امام مسلم اپنی صحیح کے مقدمہ میں ابی زناد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ

ایک اونٹ خریدا اور اس پر کجاوہ باندھ کر ایک ماہ کی طوالت کے بعد حضرت عبداللہ بن انیس کے ملک پہنچ کر ان سے

حدیث دریافت کی۔“ (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح بخاری، المكتبة التجارية مصطفى احمد

الباز، دار الفکر بیروت، لبنان، ۱۴۱۶ھ، کتاب العلم، باب الخروج فی طلب العلم، ۲۳۴/۱-۲۳۵)

”اسی طرح حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت عقبہ بن عامر سے حدیث ”من ستر علی مومن فی الدنیا سترہ اللہ یوم القیامۃ“ سننے کے لیے مدینہ منورہ سے مصر تک سفر کیا۔“ (احمد بن حنبل، المسند، دار

الحديث للنشر والتوزيع القاہرہ، ۱۴۲۶ھ، ۱۷۳۹۱)

صحابہ کے جاری کیے گئے ”رحلات علم“ کے اس طریقہ کو طلب و اخذ حدیث میں بعد ازاں اتنا قبول عام حاصل ہوا کہ یہ طالب حدیث کے ان آداب میں شامل ہو گیا جو اس سے پھر کبھی جدا نہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کسی محدث کی ایسی سیرت نہیں پڑھتے جس میں حدیث کی خاطر اس کا سفر شامل نہ ہو۔ بعد ازاں سند عالی کے حصول کے لیے بھی اسی طریقہ رحلات کو اختیار کیا گیا۔

اس عہد میں چوتھا قدم جو اٹھایا گیا وہ اسناد کی باہم جانچ پڑتال اور ایک روایت کا دوسرے راوی کی روایت سے تقابل کرنا ہے۔ گویا اہل علم کی جماعت نے اس پرفتن دور میں پیدا ہونے والے خطرات اور سازشوں کو بروقت بھانپ کر ایسے مؤثر اور دور رس اقدامات کیے جو نہ صرف آئندہ چل کر علوم حدیث کی بنیاد ثابت ہوئے بلکہ اس سے موضوع اور ضعیف احادیث کی معرفت حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ آئندہ کے لیے صحیح و سقیم، محفوظ و غیر محفوظ احادیث کے درمیان تمیز کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یوں عہد اول میں وضع حدیث کے مؤثر سد باب کے ساتھ ساتھ حدیث کی اقسام میں سے مرفوع، مقوف، متصل، منقطع اور مرسل وغیرہ کی اصطلاحات بھی استعمال ہونا شروع ہو گئیں تھیں۔

”الرسالۃ“ میں صحیح حدیث کی شروط، ایسی حدیث جس سے حجۃ پکڑی جائے پر بحث، راوی کے حفظ اور روایت بالمعنی کی شروط اور مدلس اور اس کی حدیث قبول کرنے کے احکام بیان کیے ہیں۔ ”کتاب الام“ میں حدیث حسن سے متعلق گفتگو، حدیث مرسل اور اس سے حجۃ پکڑنے کے بارے میں مضبوط دلائل دیئے ہیں اور دیگر علوم حدیث پر بھی بحث کی ہے۔ یہ سارا مواد مشکل و تحریری صورت میں سب سے پہلی کاوش ہے جو اس دور میں سامنے آئی۔

تیسرا دور

یہ دور تیسری صدی ہجری سے شروع ہو کر چوتھی صدی ہجری کے نصف تک پھیلا ہوا ہے۔ علوم حدیث کی تدوین کے حوالے سے یہ سنہری دور ہے۔ اس میں علوم حدیث کی مختلف اصناف مستقل بنیادوں پر منظم کی گئیں اور ہر علم پر خصوصی کام ہوتا رہا۔ مثلاً علم الحدیث الصحیح، علم المرسل، علم الاسماء والکنی، غریب الحدیث، مختلف الحدیث اور النسخ والمسنوخ وغیرہ۔ علماء نے اس عہد میں ہر موضوع پر خاص تصنیفات مرتب کیں مثلاً سفیان بن عیینہ الہلالی (م ۱۹۸ھ) نے ”العلل“، ”نضر بن شمیم (م ۲۰۴ھ) نے ”غریب الحدیث“، محمد بن ادریس الشافعی (م ۲۰۴ھ) نے ”اختلاف الحدیث“، ابوعلی محمد بن احمد المستنیر (م ۲۰۶ھ) نے ”غریب الآثار“، محمد بن سعد بن منیع البصری (م ۲۳۰ھ) نے ”طبقات ابن سعد“، یحییٰ بن معین (م ۲۳۳ھ) نے ”التاریخ والعلل“، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) نے ”النسخ والمسنوخ“ اور ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری (م ۲۷۶ھ) نے ”تاویل مختلف الحدیث“ مرتب کیں۔ امام بخاری کے استاد علی بن المدینی (م ۲۳۱ھ) نے مختلف فنون میں سو کے قریب کتب لکھیں۔

ان تمام موضوعات کو مخصوص مؤلفات میں جمع کر دیا گیا اور انہیں علوم حدیث کا نام دیا گیا تاہم اس عہد میں ایسی ابحاث نہیں ملیں گی جو ان علوم کے قواعد پر مشتمل ہوں۔



”ادرکت بالمدينة مائة كلهم مأمون۔ ما يؤخذ عنهم الحديث۔ يقال: ليس من اهله۔“ (۵/۱) ”میں نے مدینہ میں سو آدمیوں کو پایا وہ سارے کے سارے معتبر تھے مگر ان سے حدیث نہیں لی جاتی تھی اور کہا جاتا تھا کہ یہ اس کے اہل نہیں ہیں۔“

۶۔ ”رحلات“ کے ذریعے تتبع و تلاش کے کام کو وسعت دے کر روایات کی جانچ پرکھ میں بہت زیادہ محنت کی گئی۔ حدیث کی علتوں کو واضح کیا گیا۔ ”رحلات“ کا اس قدر اہتمام کیا گیا کہ ”الرحال“ محدثین کے لیے ایک لقب اور کبار محدثین کی ایک علامت بن گیا۔

علوم حدیث کے اولین موجد:

اس دور میں جس محدث کا نام سب سے نمایاں اور علم مصطلح الحدیث کے موجد کے طور پر نظر آتا ہے وہ امام الحدیث محمد بن مسلم شہاب الزہری رحمہ اللہ ہیں۔ ان کے حوالے سے مبارکپوری رقمطراز ہیں کہ ”وكان الامام الزهريّ أول من عني في هذا القرن يجمع الضوابط والقائما الى الناس، وأمر أتباعه بجمعها، حتى عده بعض واضع علوم الحديث۔“ (مقدمہ تحفة الاحوذی بشرح جامع الترمذی، ۲/۱۱-۳)

”امام زہری رحمہ اللہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس دور میں حدیث کے قواعد کو جمع کیا، انہیں لوگوں میں عام کیا اور اپنے ماتحت لوگوں کو ان قواعد کے جمع کرنے کا حکم دیا حتیٰ کہ بعض کے ہاں وہی علوم حدیث کے واضع و موجد قرار دیئے گئے۔“

علوم حدیث کا اولین تصنیفی مواد:

اگرچہ اس دور میں جو قواعد وضع کیے گئے کسی خاص مصنف کو چھوڑ کر عموماً وہ لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھے تاہم امام شافعی نے اپنی تصانیف ”الرسالۃ“ اور ”الام“ میں مختلف فصول کے تحت اس فن سے متعلق مختلف ابحاث پر کلام کیا ہے جو بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

حضرت مولانا سلطان محمود محدث جلال پوری رحمہ اللہ

تاریخ کے آئینہ میں

مولانا محمدرقیق اثری رحمہ اللہ

شریک رہے اور خوشی غمی میں پورا ساتھ دیا۔ ایسا متعدد بار دیکھا گیا کہ لکڑ ہارے اور مزدوری کرنے والے افراد جماعت جو شریک نماز ہوتے تھے بیمار ہو گئے تو ان کی مزاج پرسی کے لیے ان کے محلے میں جانا خبر گیری کرنا ان کا وطیرہ رہا۔

عید الاضحیٰ کے موقع پر ایک بار عورتوں میں تکرار ہو گئی اور مقامی عورتوں نے ایک مہاجر عورت کو زد و کوب کیا، مجھے یاد ہے فضیلۃ الاستاذ رحمہ اللہ نے سخت ترین الفاظ میں ان کی مذمت کی۔ ان کے مردوں کو بلا کر سرزنش کی، متعلقہ خاندان سے معافی مانگنے کا فرمایا۔ ابھی صلح نہیں ہوئی تھی کہ جمعہ کا دن آ گیا۔ مہاجرین نے اپنے جمعہ کا الگ انتظام کیا جگہ نہ ہونے کی وجہ سے شہر سے باہر ایک چاہ پر جمعہ ادا کیا گیا۔ مگر حضرت الاستاذ العالی رحمہ اللہ یہ دیکھ کر بے چین ہو گئے اور رابطہ قائم کر کے فریقین میں صلح کرائی اور ایک ہی جگہ جمعہ کا اہتمام ہوا۔ یعنی مرکزی جامع مسجد اہل حدیث میں۔

اسی طرح کا ایک اور واقع ہوا۔ جامع مسجد کی تعمیر کے موقع پر جماعت کے افراد میں تلخی پیدا ہو گئی جس کے نتیجے میں بعض ساتھیوں نے چھوٹی مسجد اہل حدیث مولوی جندوڈہ والی میں جمعہ شروع کر دیا، مولانا عبدالرحیم عارف خطیب قرار پائے۔ دونوں مساجد (مرکزی جامع مسجد اور مسجد مذکور) ایک ہی محلہ میں قریب قریب ہیں۔ فضیلۃ الاستاذ العالی رحمہ اللہ زیارت حرمین کے لیے ۱۹۵۷ء میں فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے تشریف لے گئے۔ واپس آئے تو پورے شہر نے ان کا استقبال کیا۔ چوک، بازار میں بہت بڑے اجتماع سے خطاب فرمایا اور

مرکزی جامع مسجد اہل حدیث کے بارے میں فرقہ بریلویہ کے ساتھ مقدمہ بازی:

محلہ خواجگان میں مرکزی جامع مسجد اور اس کے ساتھ متصل جنازہ گاہ قدیم سے ہی اہل حدیث حضرات کی تولیت میں تھے۔ جماعت کی جدید نشاۃ سے پریشان ہو کر بعض ہمسایوں نے جھگڑا شروع کر دیا کہ یہ مسجد احتناف کی ہے۔ ایک جمعہ کے موقع پر جھگڑا ہوا، فریقین زخمی ہوئے اور مقدمہ بازی شروع ہو گئی۔ بالآخر ہائی کورٹ پنجاب لاہور نے مورخہ ۵ جولائی ۱۹۴۰ء کو اہل حدیث کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا کہ اس مسجد پر اہل حدیث کی تولیت درست ہے اور ماتحت عدالت کا فیصلہ کالعدم قرار پایا۔

(تفصیل کے لیے تاریخ جلال پور)

افراد جماعت کئی سال تک اس مقدمے کی شدت کو برداشت کرتے رہے، ان کے قائد فضیلۃ الاستاذ صاحب کی راہ نمائی اور مسلسل جدوجہد و محنت ان کا حوصلہ بڑھاتی رہی جب کہ سیکرٹری انجمن میاں محمد رمضان مرحوم اور میاں غلام رسول قریشی نے عملاً محنت کی اور کامیابی حاصل کی۔

۱۹۴۷ء میں مہاجرین کی آمد:

۱۹۴۷ء میں ایک ہی گاؤں کے بیس پچیس اہل حدیث گھرانے مشرقی پنجاب پٹیالہ سے ہجرت کر کے جلال پور پہنچے تو حضرت الاستاذ العالی رحمہ اللہ نے ان کے ساتھ حسن سلوک اور راہ نمائی کا حق ادا کر دیا اور مسلسل اپنے دوستوں کے ذریعے ان سے رابطہ رکھا، دکھ سکھ میں

جماعت کو اس تنظیم میں منسلک کرو، ضلع مظفر گڑھ ضلع بہاولپور اور ضلع ملتان ضلع ڈیرہ غازی خاں میں پوری جماعت اہل حدیث آپ کے حکم سے مرکزی جمعیت اہل حدیث میں شامل ہوئی۔ مدتوں مجلس عاملہ کے رکن اور جمعیت اہل حدیث ضلع ملتان کے امیر رہے۔ مرکزی اجلاس کے شوریٰ میں آپ کے مشوروں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ میں نے متعدد بار دیکھا کہ محترم مولانا سید داؤد غزنوی و مولانا محمد اسماعیل و مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ اہم امور میں آپ سے مشورہ کے لیے عام لوگوں سے الگ تشریف فرما ہوتے۔

رحمہم اللہ رحمة واسعة
تدریسی و تبلیغی خدمات:

۱۹۳۳ء سے تا وفات ۱۹۹۵ء مسلسل تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ ابتدا میں اکیس طلباء کی کثیر تعداد کو پڑھاتے تھے، صبح کی نماز سے شام تک اسباق کا دور چلتا تھا۔ بعد ازاں معاون مدرسین کی خدمات بھی حاصل رہیں آخری تقریباً بیس سال بلوغ المرام، جامع ترمذی اور صحیح بخاری پڑھاتے تھے۔ بلوغ المرام اس لیے کہ ابتدا سے ہی طلباء کی درستی ہو اور حدیث پڑھنے کی ان میں اعلیٰ صلاحیت و استعداد پیدا ہو جائے۔ مدرسہ کے ایک سینئر استاذ مولانا حافظ عبدالرشید رحمہ اللہ نے مکمل بلوغ المرام کو ریکارڈ کیا ہے۔ لفظ بہ لفظ جو فرماتے تھے تحریر ہے۔ اس کی ترتیب کی ہم کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ

بلوغ المرام پڑھانے کا طریقہ سے تھا اعراب کی درستی، صیغوں کا حل، لفظی ترجمہ اور مختصر تشریح۔

جامع ترمذی میں امام ترمذی رحمہ اللہ کے فنی کام کی توضیح، فقہی اختلافات کے مواقع میں پہلے ائمہ و فقہاء کے مسالک کا بیان۔ پھر ہر ایک کے مفصل دلائل اور رائج مسلک کی ترجیح، محدثین کے موقف کو بالعموم ترجیح دیتے۔ پھر اعتراضات کے جوابات۔ اس طریقہ سے قاری طالب علم کا فہم حدیث و علوم حدیث میں محدثین کا سادہ بن جاتا تھا۔

حرمین شریفین کے تازہ ترین احوال بیان کر کے دلوں کو گرمایا۔ طلبائے دارالحدیث اور قریبی ساتھیوں کی خوشی دیدنی تھی۔ ایک دو دن بعد جمعہ کا دن آیا تو پہلی اذان کے بعد فضیلۃ الاستاذ رحمہ اللہ مسجد اہل حدیث مولوی جندوہ والی میں تشریف لے گئے جہاں مولانا عبدالرحیم صاحب عارف اور بعض احباب جماعت جمعہ کی تیاری کر رہے تھے، فرمایا میں تمہیں منانے آیا ہوں، اللہ کے لیے جماعت میں اتفاق و اتحاد پیدا کیجیے اور مولانا رحمانی سے فرمایا میرے عزیز آپ چلیں اور خطبہ جمعہ دیں۔ میں آپ کے پیچھے جمعہ پڑھوں گا۔ مولانا رحمانی آبدیدہ ہو گئے اور دوسرے ساتھی بہت متاثر ہوئے اور اسی وقت مرکزی جامع مسجد اہل حدیث آگئے، مولانا رحمانی نے فرمایا آپ بڑے ہیں، آپ کا احترام مجھ پر لازم ہے۔ آپ ہمیں منانے تشریف لائے ہمارے لیے اعزاز ہے، آپ خود جمعہ پڑھائیں۔“

اس کے بعد جلال پور پیر والا کی تاریخ میں پوری جماعت اہل حدیث آج تک ایک ہی جگہ نماز جمعہ ادا کرتی ہے جب کہ شہر میں دس مساجد اہل حدیث مختلف محلہ جات میں موجود ہیں۔ و ذلك فضل

اللہ يؤتیہ من یشاء

استاذ محترم مولانا اللہ یار صاحب کا کہنا ہے اس خطبہ جمعہ میں فضیلۃ الاستاذ العالی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا میں نے جماعت کے اتفاق و اتحاد کی دعائیں حج کے خصوصی مواقع میں کی ہیں جنہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قبول فرمایا ہے، تب ہی ہم پھر اتفاق کے ساتھ نماز جمعہ ادا کر رہے ہیں اور دیگر مسلکی مہمات میں اکٹھے رہیں گے۔ ان شاء اللہ

قیام پاکستان کے بعد مرکزی جمعیت اہل حدیث میں کردار:

تقسیم ملک کے بعد جماعت کی تنظیم نو کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمہ اللہ اور مولانا عبدالرشید صاحب صدیقی ملتان نے تنظیم نو کے لیے حضرت الاستاذ رحمہ اللہ سے رابطہ کیا تو ان کے ساتھ تنظیم سازی میں مرکزی کردار ادا کیا۔ راقم الحروف کو حکم دیا کہ مولانا شیخ عبدالرشید صاحب کے ساتھ جاؤ، علاقہ میں احباب

صحیح بخاری میں مشکل مقامات کا حل، امام بخاری کے ترجمہ باب کی تشریح اور احادیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مطابقت پر خصوصی توجہ رہتی تھی۔

جامع ترمذی اور صحیح بخاری پر آپ کے افادات بعض ساتھی مرتب کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی توفیق عطا فرمائے۔

طلباء پر لازم ہوتا کہ باری باری قرآن علی الشیخ کریں۔ اس میں وہ کسی کو استثنا کی اجازت نہیں دیتے تھے، اور الفاظ حدیث کی درست قرأت کے بغیر آگے نہیں چلنے دیتے تھے، چاہے اس پر کتنا ہی وقت کیوں نہ صرف ہو۔ بسا اوقات ایک ایک جملہ کی تصحیح میں بہت وقت صرف ہو جاتا تھا بالخصوص صحیح بخاری کے قارئین کو تو سختی کے ساتھ درست کی تلقین کرتے، ترغیب دلاتے، اور محنت کی تلقین فرماتے تھے۔ آخری ایام میں طبیعت کی ناسازی اور بعض طلباء کی عدم رغبت یا ان کے معیار پر پورا نہ ہونے کی بنا پر غصہ کا اظہار فرماتے، سمجھ دار اس ناراضی کو بھی اپنے حق میں مفید سمجھتے اور جلد ہی اپنی اصلاح کر لیتے۔

خطبات جمعہ میں تصحیح عقائد کے ساتھ زیادہ زور درستی اعمال پر فرماتے اور قرآن پاک و احادیث سے استدلال کا ان کا اپنا مخصوص انداز تھا جو سادہ مزاج اور عام لوگوں کے سمجھانے کے لیے بہت مفید ہوتا تھا۔

پورے جنوبی پنجاب کے علاقہ میں وقتاً فوقتاً پروگرام ہوتے رہتے تھے۔ مظفر گڑھ و بہاولپور کے دور دراز دیہات میں گھوڑیوں اور سائیکلوں پر سفر ہوتا اور بہت پہلے پیدل بھی جانا ہوتا تھا۔ کبھی بے اعتنائی نہیں کی۔

کئی مواقع میں مخالفین نے شدید مزاحمت کا مظاہرہ کیا مگر اپنی بات کہنے میں کبھی دریغ نہیں کیا۔

علاقہ خان بیلہ کے حافظ عبدالحق صاحب (جو دارالحدیث محمدیہ میں استاد تھے) نے اپنی بستی شہنی میں تبلیغی جلسہ کا فیصلہ کر لیا۔ حضرت الاستاذ رحمہ اللہ نے جانے کی ہامی بھری۔ وہاں کے زمیندار غلام محمد رک

نے کہلا بھیجا کہ ادھر وعظ و تقریر کے لیے نہ آنا۔ میں اس بستی میں کسی وہابی کا وعظ نہیں ہونے دوں گا۔ فضیلۃ الشیخ طلباء و احباب جماعت کی معیت میں ایک ٹرک پر سوار ہو کر عشاء کے وقت اس بستی میں جو جلال پور کے مضافات اور چناب کے بیٹ میں واقع ہے، پہنچ گئے۔ غلام محمد نے چاروں طرف اپنے غنڈے پھیلا رکھے تھے، نماز عشاء کے بعد تقریر شروع ہوئی۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر تقریر ہوئی۔ گھن گرج کے ساتھ مدلل بیان ہوا۔ توحید کے تقاضے اور اتباع سنت کا مفہوم واضح کیا، غلام محمد سامنے کرسی ڈال کر بیٹھا رہا، ساری تقریر سنی، ٹوکنے کی جرأت نہیں ہوئی، اختتام پر کہا تم درود کے قائل کیوں نہیں ہو، جنازہ کے بعد دعا کیوں نہیں پڑھتے؟ دونوں باتوں کا جواب مدلل انداز میں بتایا گیا۔ آخر میں اس نے کہا اب تو تم نے تقریر کر لی ہے آئندہ ادھر نہ آنا۔ شیخ محترم نے فرمایا اگر کوئی مسلمان مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتیں سنانے کے لیے بلائے گا میں ضرور آؤں گا۔ مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔“

چند ماہ بعد یہی شخص اپنے ایک زمیندارہ تنازعہ میں آپ کو منصف مان کر جامع مسجد اہل حدیث میں آیا اور فضیلۃ الشیخ نے فریقین کے بیانات سن کر فیصلہ دیا اور اسے احساس تک نہیں ہونے دیا کہ تم مجھے اپنی بستی سے روکتے تھے، جانے لگا تو اس نے فضیلۃ الشیخ کے ہاتھوں کا بوسہ لیا۔

ضلع مظفر گڑھ میں ”جال والا“ بستی میں ایک ہی اہل حدیث گھر تھا۔ اس کے سربراہ نے دعوت تبلیغ دے دی، شیخ محترم مولانا محمد صدیق مظفر گڑھی کی معیت میں پہنچ گئے۔ اس علاقہ میں یہ پہلا پروگرام تھا۔ علاقہ کے مولویوں نے اپنے مقتدیوں اور معتقدوں کو مقام وعظ میں جانے سے روک دیا۔ مولانا محمد صدیق صاحب نے لاؤڈ سپیکر پر تقریر شروع کی تو سامنے تین شخص بیٹھے تھے:

۱۔ حضرت الاستاذ العالی۔ ۲۔ داعی میزبان اور ۳۔ ایک اور شخص۔ اسی صورت میں شیخ محترم نے شان و مقام رسالت مآب ﷺ پر اپنے مخصوص انداز سے سرانیکی میں تقریر شروع کی۔ چند منٹ بعد دو آدمی

گھٹے مسلک اہل حدیث پر تقریر فرمائی۔ آرام کے لیے آم کے ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہی تھے کہ مسائل پوچھنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ ان میں ایک شخص نے کہا جناب مجھے فلاں سورۃ کا مفہوم سمجھائیں (آخری پارہ کی سورتوں میں سے ایک کا نام لیا) میں آپ کی تقریر میں حاضر نہیں ہوسکا۔ اسی وقت تقریباً پون گھنٹہ تک مسئلہ سورۃ کی تفسیر بیان کی۔

ان دنوں علمائے کرام تقریر کر کے رخصت نہیں ہو جاتے تھے بلکہ جلسہ کے اختتام تک اہم علماء موجود رہتے۔ عام لوگ مسائل دریافت کرتے تھے۔ زیادہ گفتگو عقائد و مسلک اہل حدیث پر رہتی تھی۔ مخالفین کے شبہات کا ازالہ کیا جاتا۔ ایک موقع پر جلال پور پیر والا میں مولانا سید داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ گوجراں والا تین دن کے جلسے میں تشریف فرما رہے۔ آج ان محافل کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترستی ہیں۔

تدریب و اصلاح مدرسین:

اپنے مدرسہ میں اپنے شاگرد اساتذہ کی سخت نگرانی فرماتے کہ ان کا انداز تفہیم کیسا ہے، طلباء کے ساتھ عام رویہ کس انداز کا ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔ چند امور قابل توجہ ہیں۔ مدرسہ کے ایک مدرس کو پانچ چھ سال بعد بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں اچھی استعداد سے نوازا ہے مگر تم نے کما حقہ محنت نہیں کی۔ اس لیے تمہارا معیار تدریس بہتر نہیں ہو رہا، معاملہ چوں کہ طلباء کی تربیت کا ہے، میں تمہیں ایک چانس دے رہا ہوں۔ تم تدریس کے اصل مقام کو پہچانو اور خوب محنت اور تیاری کر کے بچوں کو پڑھاؤ۔ انہوں نے ایک دو سال اور پڑھایا مگر اپنا معیار بوجہ بلند نہ کر سکے۔ اور خود تدریس سے ہٹ گئے۔ فضیلتہ الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے خود کبھی کسی استاذ کو اس کے منصب سے الگ نہیں کیا جب کہ احباب جماعت کی طرف سے یہ ذمہ داری انہی کی تھی کہ احباب جماعت تدریسی، تعلیمی اور طلباء کے معاملات میں دخل نہیں

اور آگئے، سرانیکی زبان کی مٹھاس، نیچے تلے الفاظ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبت بھرا ذکر اس انداز میں بیان ہوا کہ بہتی کے لوگ سامنے آ کر وعظ سننے پر مجبور ہو گئے۔

مولانا محمد صدیق صاحب کا بیان ہے کہ پندرہ بیس منٹ کے بعد سامنے سو سے زیادہ افراد موجود تھے اور بیان کے اختتام پر صورت حال یہ تھی کہ دیہاتی گھر کا پورا صحن انسانی مجمع سے بھرا ہوا تھا اور تقریباً تین گھنٹہ مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مدلل انداز میں مسلک اہل حدیث بیان کیا۔ اس کے بعد علاقہ کے مولویوں کو کبھی جرأت نہیں ہوئی کہ اس درویش بادشاہ کے جلسہ سے اپنے مریدوں کو روک سکیں۔ اب اس علاقہ میں توحید و سنت کی آوازوں کا غلغلہ ہے۔ واللہ الموفق

شہر میں ایک دیوبندی واعظ نے جماعت اہل حدیث و شیخ محترم پر کچڑ اچھالا اور غلیظ زبان استعمال کی۔ چند دن بعد جماعت کے ایک تبلیغی اجتماع میں اس کا تذکرہ ہو چلا تو دورانِ تقریر برجستہ یہ اشعار پڑھے:

مہلا بنی عمنامہلا موالینا
لا تنبشوا بنینا ما کان مدفونا
لا تطمعوا ان تھیونا و نکرمکم
وان نکف الاذی عنکم وتودونا
مہلا بنی عمنان نحت اثلنا
سیروا روبدا کما کنتم تسیرونا
اللہ یعلم انالانجبکم
ولانلومکم ان لاتحبونا
کل لہ نیۃ فی بغض صاحبہ
بنعمۃ اللہ نقلیکم و تقلونا

کل لہ نیۃ فی بغض صاحبہ کے تحت مسلک کی توضیح اور جماعت اہل حدیث کے کردار کی خوبصورت انداز میں وکالت فرمائی۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء

چالیس سال سے پہلے کی بات ہے کلر والی ضلع مظفر گڑھ میں کئی

بنتے ہیں۔ اس بارے میں صدر المدرسین باختیار ہے۔

مدرسہ کے ایک استاذ نے صبح کی نماز پڑھائی۔ سجدہ مختصر ہو گیا۔ شیخ محترم نماز میں مقتدی کی حیثیت سے شریک نماز تھے، ظہر کے وقت اسی استاذ کی موجودگی میں دوسرے استاذ کو ایک اور تذکرہ میں ضمناً فرما رہے تھے کہ صبح کی نماز میں لمبی قرأت کا حکم ہے، اسی مناسبت سے رکوع وجود میں بھی اذکار زیادہ ہونے چاہئیں اور لمبا سجدہ زیادہ بہتر ہے۔ صبح کے امام نے اس تلقین کو اپنی درستی سمجھا۔

بہت پہلے تدریس کے ابتدائی سالوں میں ایک استاذ بلوغ المرام کی ایک حدیث کے ترجمہ میں غلطی کر گئے اور وہ بھی سبل السلام کی تشریح کے مطالعہ کے نتیجے میں کہ جب انسان مرتا ہے ”تبعہ البصر“ آنکھ اس کے تابع ہوتی ہے، استاذ نے مفہوم یہ بتایا کہ آنکھ روح کو دیکھتی رہتی ہے۔ فضیلتہ الاستاذ ادھر متوجہ تھے اور مقام تدریس کے قریب ہی ٹھہل رہے تھے، مولانا محمد صدیق مظفر گڑھی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس حدیث میں بعض علماء نے معنی صحیح نہیں لکھا۔ صحیح مفہوم یہ ہے کہ جب انسان مرتا ہے تو بینائی ختم ہو جاتی ہے۔

تہذیب المنطق کی تدریس میں ایک استاذ نے ”سمی حبیب اللہ“ کو ماضی مجہول پڑھا اور حبیب اللہ کو مرفوع بنایا۔ شیخ محترم نے ایک اور استاذ کے سامنے اس کا مفہوم واضح کیا کہ یہ لفظ سَمِیَّ حبیب اللہ ہے یعنی مولف کا بیٹا اللہ کے حبیب ﷺ کا ہم نام ہے۔ متعلقہ استاذ بھی یہ گفتگو سن رہے تھے، انہوں نے اسے اپنے لیے راہ نمائی سمجھا۔

اور یہ تو سب اساتذہ کو ہدایت تھی کہ مشکل مقامات کا حل آ کر پوچھیں۔ اساتذہ نے بھی کبھی اس بارے میں بے اعتنائی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اور اس لیے بھی یہ بات آسان تھی کہ سب اساتذہ شیخ محترم کے شاگرد ہیں۔

مدرسین کی اصلاح ہمیشہ اس انداز میں فرماتے کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں اور غلطی کی درستی کر لیں۔ اور اپنا معیار تعلیم بہتر بنالیں۔ بلکہ ان کی کوشش یہ بھی ہوتی کہ درست کام کرنے والا کوئی

استاذ خود بھی مدرسہ چھوڑ کر نہ جائے۔ ایک استاذ محترم اپنی معاشی و دیگر ضروریات کی بنیاد پر دوسرے مدرسہ میں تدریسی خدمات سر انجام دینے کا فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔ شیخ محترم کو پتا چلا تو نظام الاوقات کے پرچہ پر (جو مسجد میں آویزاں ہوتا تھا) اپنے ہاتھ سے یہ شعر لکھ دیئے:

کہن شاخ کہ زیر سایہ اش بال و پر بر آوردی
جوں برگش ریخت آشیانہ از برداشتن ننگ ست
وفا آموختی از ما بکار دیگران کر دی
ربو دی گوہرے از ما نثار دیگران کر دی
متعلقہ استاذ نے جب یہ اشعار پڑھے تو ارادہ بدل دیا اور آج تک ادارہ میں تشنگانِ علوم کی پیاس بجھانے میں اپنی قوتیں صرف فرما رہے ہیں۔ یہ سب اللہ کی توفیق ہے۔

تدریس کو اعلیٰ معیار پر لانے کے لیے انہوں نے صرف و نحو میں فارسی کتابیں متروک قرار دے دی تھیں کہ بچے فارسی زبان سمجھیں یا صرف و نحو کے مسائل؟

اس کے لیے انہوں نے کتاب الصرف، کتاب النحو مؤلفہ مولانا عبدالرحمن اور علم الصیغہ اردو کو پہلی اور دوسری کلاس میں لازم قرار دیا یہ تینوں کتابیں حفظ کرائی جاتی ہیں اور ان کے ساتھ شرح مائتہ عامل مکمل ترکیب کے ساتھ۔ اور یہ کتابیں ہمیشہ سینئر اور ماہر استاذ سے پڑھائی جاتی ہیں۔ اساتذہ کے لیے خصوصی ہدایات میں یہ بات بار بار فرماتے تھے:

۱: عبارت کی تصحیح ہر قیمت پر کرانا۔ بالخصوص حدیث کی کتابوں میں اعراب کی غلطی نہ ہونے پائے۔

۲: استاذ کتابوں کا مطالعہ کر کے پڑھائیں اور صحیح ترین مفہوم بچوں کے ذہن نشین کرائیں۔

۳: لمبی بحثوں میں بچوں کو نہ الجھائیں۔

۴: لغت اور صیغوں کے حل کی طرف بچوں کو متوجہ رکھیں۔

۵: ہرفن کی اصطلاحات حفظ کرائیں۔

۱۲: نماز عصر کے بعد آج کے مقررہ اسباق کی دہرائی کی نگرانی فرماتے تھے اور اس کے بعد ایک گھنٹہ سیر و تفریح کے لیے باہر کھیتوں میں اور کھیل کے میدان میں جانے کی اجازت دیتے۔ اب بھی ان معمولات پر عمل پیرا رہنے کی کوشش کی جاتی ہے۔
وبالہ التوفیق
جامعات و مدارس کے ساتھ لگاؤ:

ملک میں سب جامعات و مدارس کے ذمہ داران احباب کے ساتھ اچھے مراسم رہے۔ سالہا سال سے جامعہ تدریس القرآن والحدیث راولپنڈی و جامعہ سلفیہ اسلام آباد کے سالانہ امتحان کی نگرانی فرماتے اور ہدایات دیتے رہے۔ جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں مرکزی اکابرین کی درخواست پر ایک سال کے لیے تشریف لائے اور وہاں اچھے اور مفید اثرات قائم فرمائے۔
دیگر مدارس و جامعات میں بھی تقریب ختم البخاری کے مواقع پر علماء و فضلاء و جماعت کو اپنے ارشادات سے مستفید کرتے رہے۔
عفو و درگزر:

مسک کے مخالفین بسا اوقات ذاتی حملے کرتے اور نام لے کر توہین آمیز کلمات فضا میں بکھیر دیتے، اپنے مسک کی مدلل ترجمانی ہی اس کا جواب ہوتا تھا ذاتی معاملات کا کبھی نوٹس نہیں لیا۔ بلکہ ﴿وَالْكَافِرِينَ الْغَيْظُ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ﴾ کے معیار پر اللہ کے فضل سے بدرجہ اتم متصف تھے۔

نماز عشاء کے بعد دارالاقامہ دارالحدیث کے قریب سے گزر رہے تھے گھر جانے کے لیے گلی کے موڑ سے گزرے ہی تھے کہ پیچھے سے کسی نے گتے کے انداز کی کوئی چیز کندھے پر ماری۔ فضیلۃ الاستاذ نے رعب دار آواز میں کہا تو کون ہے؟ وہ بھاگ گیا۔ کافی پیچھے ایک جماعتی خواجہ محمد اسماعیل آ رہا تھا اس نے آواز سن لی دوڑ کے آیا پوچھا تو فرمایا کوئی شریر لڑکا تھا چلو دفع کرو، مگر محمد اسماعیل کے تن بدن میں آگ لگ گئی وہ دوڑا، آخر ایک گلی سے نکلتے اور بھاگتے شیعہ لڑکے کو پکڑ لیا۔ وہاں کافی لوگ جمع تھے لوگوں نے چھڑا دیا۔ بات باہر نکل گئی

مجھے دورانِ تعلیم ہی سے بیرونی درسیات مطالعہ اور مضامین لکھنے کا شوق رہا ہے، ایام تدریس میں بھی یہ مشغلے جاری رہے مگر شیخ محترم نے شدت کے ساتھ اسے محسوس کیا کہ کہیں یہ مشاغل طلباء کے لیے ضروری وقت دینے اور توجہ میں حارج نہ بن جائیں۔ یہ ہدایات میرے لیے اپنے کام میں توجہ اور دلچسپی کے لیے بہت مفید ثابت ہوئیں۔ جزاہ اللہ اجرا جزیلا

۶: اساتذہ مدارس تبدیل نہ کریں ایک ہی جگہ رہ کر روکھی سوکھی سے گزارہ کریں اور اپنا علمی معیار مضبوط، محفوظ اور زیادہ کریں۔
۷: استاذ طلباء کے ساتھ اتنے بے تکلف نہ ہوں کہ وہ ادب نہ کریں اور نہ ہی اتنا رعب ڈالیں کہ وہ اس کی بات نہ سمجھ سکیں۔
۸: جماعتی احباب کو سختی سے روک رکھا تھا کہ اساتذہ و طلباء اور تعلیمی معاملات میں مداخلت نہ کریں۔ اگر کسی کو کوئی شکایت یا مسئلہ درپیش ہو تو صدر المدرسین سے بات کریں۔ اس طرح معاملہ صحیح پس منظر اور سمجھ کے ساتھ حل ہوگا۔ اللہ کی توفیق سے آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے۔

۹: طلباء کے لیے ایک دن فرمایا بدخلق طالب علم کبھی کامیاب نہیں ہوتا چاہے وہ ذہین ہے۔ کامیابی کے لیے محنت، مسلسل محنت اور خوش اخلاقی شرط ہے بالخصوص استاذ کا ادب و احترام اور طلباء ساتھیوں کے ساتھ حسن مروت لازم اور ضروری ہے۔

۱۰: جو طالب علم مدرسے تبدیل کرنے کے عادی ہوتے ہیں بالعموم وہ خورد و نوش کو ہی مقصد زندگی سمجھتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ کسی ایسے مدرسہ میں جہاں تعلیمی و تربیتی کام اخلاص، محبت اور محنت کے ساتھ قابل اساتذہ کی زیر نگرانی ہو رہا ہے ٹھہر کر علم حاصل کریں۔
۱۱: طلباء نے جو سبق پڑھنا ہے اس کا پیشگی مطالعہ کریں۔ انہیں علم ہونا چاہیے کہ اگلے سبق میں مجھے استاذ سے کیا راہ نمائی لینی ہے۔ کتب احادیث ستہ کے پڑھنے میں ہر محدث کے انداز تالیف پر گہری نظر رکھے۔ اور ان مقاصد و فنون کو سمجھنے کی سعی کرے جو محدث مؤلف کے پیش نظر ہیں۔

ذوالحلیفہ انٹرنیشنل ٹریول اینڈ ٹورز

موبائل: 0321-4114174 / 0300-6992115

سستا ترین

حج و عمرہ پیکج

کنزوم ٹکٹ

ویزہ

سہولیات

حرم شریف کے نزدیک ترین رہائش

ہوٹل واکا نومی ٹیکج دستیاب ہے

تمام ایئر لائن کی ٹکٹیں دستیاب ہیں

99۔ ریلوے روڈ، نزد گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی، لاہور

فون: 042-35504962, 37381262



اگلے دن طلباء دارالحدیث اور نوجوانان جماعت نے احتجاجی مظاہرہ کیا، ایک بہت بڑا مجمع جناح ہال بلدیہ جلال پور پیر والا میں جمع ہو گیا۔ راقم بھی وہاں پہنچ گیا۔ انتظامیہ اور لڑکا کے متعلقین نے شیخ محترم سے رابطہ قائم کیا کہ آپ براہ مہربانی جلوس کو کنٹرول کریں۔ انہوں نے مجھے پیغام بھیجا کہ سب ساتھیوں کو واپس جامع مسجد اہل حدیث لاؤ کیا ضرورتھی بات بڑھانے کی۔

شیخ محترم رحمہ اللہ نے لوگوں سے خطاب فرمایا اور اس معاملہ کو طول دینے سے منع کیا اور فرمایا میں ناروا حرکت کرنے والے کو جو بھی ہے معاف کرتا ہوں تم بھی اس بات کو ختم کر دو۔ جب کہ اس سے پہلے لڑکے کے والد اور اہم برادری کے لوگ چیئرمین بلدیہ کی معیت میں آپ سے مل چکے تھے اور لڑکے کو ان کے حوالے کرنے، مقدمہ قائم کرنے یا خود سزا دینے کا اختیار دے چکے تھے اور ساتھ ہی معافی کے خواستگار ہوئے۔ مگر فضیلۃ الشیخ العالی نے معاف کر دیا اور اس طرح اہل حدیث و شیعہ کے مابین اس تناؤ اور ٹکراؤ کو ختم کر دیا جو ان کی ذات کی وجہ سے پیدا ہوا چاہتا تھا۔

حضرت حافظ عبداللہ روپڑی اور ان کا فتاویٰ اہل حدیث

اس فقیر نے حضرت حافظ عبداللہ روپڑی اور ان کے خاندان کے علمائے کرام کے حالات میں کتاب تقریباً مکمل کر لی ہے۔ اس کا ایک باب ان کے ”فتاویٰ اہل حدیث“ پر مشتمل ہے، جس کا کچھ حصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

محمد اسحاق بھٹی

ان کے مجموعہ فتاویٰ کا نام ”فتاویٰ اہل حدیث“ ہے۔ یہ تمام فتوے کتابی صورت میں تین جلدوں پر مشتمل تھے، جنہیں بعد میں دو جلدوں میں سمو دیا گیا۔ فتاوے کی ترتیب کی خدمت حضرت حافظ صاحب کے فاضل شاگرد مولانا ابوالسلام محمد صدیق مرحوم و مغفور نے سرانجام دی۔

یہ نہایت محنت طلب اور دقت نظر کا متقاضی کام تھا جو مولانا محمد صدیق مرحوم کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچا۔ ان میں وہ فتوے بھی شامل ہیں جو اخبار ”تنظیم اہل حدیث“ کے اجرا (۱۹۳۳ء) سے پہلے مختلف حصرات نے بذریعہ خطوط ان سے پوچھے اور انھوں نے بذریعہ خطوط ہی ان کے جواب دیے، اور وہ تمام فتوے بھی شامل ہیں جو اخبار کے اجرا کے بعد پوچھے گئے اور اخبار میں ان کے جواب دیے گئے۔ دونوں ادوار کے فتوے کثیر تعداد میں تھے جو بے شمار مسائل پر مشتمل تھے اور مختلف مقامات میں بکھرے ہوئے تھے۔ ان کو جمع کرنا اور مضمون وار تبویب کے ساتھ فقہی صورت میں ترتیب دینا انتہائی مشکل کام تھا۔ یہ مشکل اور نازک ترین کام کوئی عالم فاضل اور دینی مسائل سے بہ درجہ غایت دلچسپی رکھنے والا ہی کر سکتا تھا اور مولانا محمد صدیق مرحوم ان اوصاف سے متصف تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق بخشی اور انھوں نے نہایت حسن و خوبی سے یہ کام مکمل کر دیا، جس سے لوگ استفادہ کر رہے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ فتاوے کی ترتیب کا یہ سلسلہ کب شروع ہوا؟ کیسے شروع ہوا اور کس طرح مکمل ہوا.....؟

حضرت حافظ عبداللہ روپڑی ۱۸۸۷ء کو پیدا ہوئے اور ۱۹۶۴ء میں فوت ہوئے۔ ان کے فنی علمی پر نگاہ ڈالیں تو اس کی روشنی دور تک پھیلی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ وہ درسیات پر بھی عمیق نگاہ رکھتے ہیں، قرآن و حدیث کے بھی ہر پہلو پر ان کی محققانہ نظر ہے اور فقہ و فتاویٰ کے مختلف گوشوں پر بھی انھیں عبور حاصل ہے۔ ان کے فتوے نہایت مدلل ہیں اور اس باب میں ان کا طرز تحریر بڑا صاف اور نکھرا ہوا ہے۔ وہ جس فقہی مسئلے پر بحث کرتے ہیں، اس کی پوری تفصیل سے قارئین کو آگاہ فرما دیتے ہیں۔ ان کے علم کی فراوانی ہر مقام پر اپنا جلوہ دکھاتی ہے اور ان کی مجتہدانہ بصیرت ان کی تمام تحریروں میں کارفرما ہے۔

مولانا محمد حنیف ندوی جلیل القدر عالم اور رفیع المرتبت مفسر قرآن تھے۔ یوں تو وہ حضرت حافظ صاحب روپڑی کی علمی منزلت کے ہر پہلو کے معترف تھے اور ان کے زاویہ تحقیق کو لائق ستائش قرار دیتے تھے، لیکن خاص طور سے ان کی دو علمی مساعی کو بے حد اہمیت دیتے تھے، ایک ان کی تصنیف ”الکتاب المستطاب فی جواب فصل الخطاب“ کو اور دوسرے ان کے فتاوے کو.....!

”الکتاب المستطاب“ انھوں نے مشہور دیوبندی عالم مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری کی تصنیف ”فصل الخطاب“ کے جواب میں لکھی، اور ان کی زندگی میں لکھی۔ لیکن اس کا جواب نہ خود مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کی طرف سے دیا گیا اور نہ ان کے کسی عالم فاضل دیوبندی معاصر اور شاگرد کی طرف سے معرض تصنیف میں آیا۔ ان سطور میں ان کے فتاوے کے متعلق چند گزارشات پیش کی جاتی ہیں۔

اس کا جواب خود اس کے فاضل مرتب مولانا ابوالسلام محمد صدیق مرحوم کی زبان سے سنئے۔ وہ اس کی جلد اول کے ”حرفِ اول“ میں لکھتے ہیں:

”وفات سے چند برس پہلے کی بات ہے کہ محدث روپڑی رحمہ اللہ نے راقم الحروف کو ارشاد فرمایا کہ اخبار ”تنظیم اہل حدیث“ میں مطبوعہ فتاویٰ اور جو میرے پاس غیر مطبوعہ پڑے ہیں، فقہی ترتیب کے ساتھ ان کو شائع کرنے کا اہتمام کریں۔ ان میں جن مسائل کی کمی محسوس ہو ان کا جواب لکھوا لیا جائے، مگر افسوس کہ یہ کام تغافل کی نذر ہو گیا اور آپ کی زندگی میں اس کا آغاز نہ ہو سکا۔“

اس سے آگے مولانا ممدوح تحریر فرماتے ہیں:

”۱۹۵۶ء میں (مجھے) حج بیت اللہ نصیب ہوا۔ حرم شریف میں لیٹا ہوا تھا کہ نیند آگئی۔ خواب میں ملاقات ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اشاعت دین میں سستی کیسی؟ آنکھ کھلی تو آپ کے الفاظ کا دل پر ایک اثر تھا اور فتاویٰ کے شائع کرنے کا عزم بالجزم کیا۔“

”الحمد للہ اس خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس ناچیز کو توفیق عطا فرمائی کہ علم و تحقیق کے اس بہت بڑے ذخیرے کو فقہی ترتیب کے ساتھ ”فتاویٰ اہل حدیث“ کے نام سے شائع کر کے دین کی ایک ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو رہا ہے۔“

اس کا نام ”فتاویٰ اہل حدیث“ کیوں رکھا گیا؟ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے مولانا محمد صدیق لکھتے ہیں:

”ہمارے سابق اکابر علماء کے فتاویٰ ان کے اپنے نام یا وطن سے منسوب ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ نذیریہ کی نسبت شیخ الکل میاں سید نذیر حسین اور فتاویٰ ثنائیہ کی نسبت مولانا ثناء اللہ امرتسری کے نام کی طرف ہے۔ فتاویٰ غزنویہ کی نسبت حضرت امام عبدالجبار صاحب کے آبائی وطن غزنی کی طرف ہے، مگر زیر نظر فتاویٰ کو محدث روپڑی کے نام یا وطن کی

طرف منسوب نہیں کیا گیا۔ نام اور وطن کے بجائے اس فتاویٰ کو ”فتاویٰ اہل حدیث“ کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ فتاویٰ کا اکثر ماخذ قرآن و حدیث ہے۔“

حضرت حافظ صاحب کی مجتہدانہ بصیرت کے متعلق مولانا محمد صدیق رقم طراز ہیں:

”یہ حقیقت ہے کہ محدث روپڑی یکتائے روزگار محقق اور اپنے دور کے مجتہد ہونے کے علاوہ علم و فضل کے مینار تھے۔ تفسیر اور حدیث میں آپ کو جامع بصیرت حاصل تھی۔ احکام و مسائل اور ان کے اسباب و علل پر گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ کا اجتہاد و استنباط علماء کے لیے وجہ اطمینان اور طلباء کے لیے علم میں اضافے کا موجب ہوتا ہے۔“

اسے اگلی چند سطریں ملاحظہ ہوں۔ رقم فرماتے ہیں:

”اس صورت حال کے باوجود کسی عالم یا بزرگ کے متعلق یہ گمان رکھنا اور یہ دعویٰ کرنا ناممکن ہے کہ وہ معصوم عن الخطاء ہے۔ مشہور ہے المجتہد یصیب ویخطئ، یعنی مجتہد جہاں اصابت رائے سے ہم کنار ہوتا ہے وہاں اس سے غلطی کا بھی امکان ہے۔ البتہ مجتہد اپنے اجتہاد میں حسن نیت کی بنا پر اجر سے محروم نہیں رہتا، جب کہ وہ اصابت رائے کی صورت میں دو گنا اجر کا مستحق ہے۔ ہاں وہ لوگ عند اللہ مجرم ہیں جو دیدہ دانستہ کتاب و سنت کو ترک کر کے غلط رائے اور غلط اجتہاد پر اصرار کرتے ہیں۔“

(فتاویٰ اہل حدیث جلد اول، ص: ۱۷، ۱۸)

جلد اول:

فتاویٰ اہل حدیث کی جلد اول فہرست مضامین اور مقدمے سمیت (جو) حضرت محدث روپڑی اور ان کے خاندان کے مختصر حالات کے عنوان سے مرقوم ہے) ۲۵ صفحات پر محیط ہے۔ فہرست مضامین چودہ صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔ فتاویٰ میں سیکڑوں مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ بعض مسائل چند سطور میں اور بعض تفصیل سے ضبط تحریر میں

اس جلد کے چند عنوانات یہ ہیں: (۱) جمعہ کا بیان۔ (۲) نماز عیدین کا بیان۔ (۳) مصارفِ زکوٰۃ۔ (۴) قربانی کا بیان۔ (۵) جنازے کا بیان۔ (۶) زکوٰۃ کا بیان۔ (۷) مصارفِ زکوٰۃ۔ (۸) روزے کا بیان۔ (۹) اعتکاف۔ (۱۰) حج کا بیان۔ (۱۱) عمرے کے اوقات۔ (۱۲) تجارت کا بیان۔ (۱۳) اجرت کا بیان۔ (۱۴) سود کا بیان۔ (۱۵) ہبہ کا بیان۔ (۱۶) وقف کا بیان۔ (۱۷) مزارعت کا بیان۔ (۱۸) رہن کا بیان۔ (۱۹) وراثت کا بیان۔ (۲۰) وصیت کا بیان۔ (۲۱) نکاح کا بیان۔ (۲۲) ولی کا بیان۔ (۲۳) رضاعت کا بیان۔ (۲۴) نکاح کے متفرق مسائل۔ (۲۵) عشرۃ النساء کا بیان۔ (۲۶) پردے کا بیان۔ (۲۷) طلاق کا بیان۔ (۲۸) عدت کا بیان۔ (۲۹) قسم کا بیان۔ (۳۰) عقیقہ کا بیان۔ (۳۱) تصاویر کا بیان۔ (۳۲) ضبط تولید کا بیان۔ (۳۳) یتیموں کا بیان۔ (۳۴) متفرق علمی مسائل۔

غرض فتاویٰ کی یہ جلد بھی پہلی جلد کی طرح بہت سے معاشرتی، دینی اور تہذیبی و تمدنی مسائل پر مشتمل ہے۔ ان دونوں جلدوں کو دینی مسائل کے انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت حاصل ہے۔ ہر بڑے عنوان کے تحت متعدد ضمنی عنوانات درج ہیں۔

اس جلد کی دوسری طباعت اس وقت پیش نگاہ ہے جو ربیع الاول ۱۴۰۴ھ (دسمبر ۱۹۸۳ء) میں شائع ہوئی۔

فتاویٰ اہل حدیث جو دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، نہایت محنت سے حضرت حافظ صاحب کے شاگرد رشید مولانا محمد صدیق مرحوم نے مرتب کیا اور انہی نے اپنے قائم کردہ اشاعتی ادارے ”ادارہ احیاء السنۃ النبویہ، ڈی بلاک سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا“ کی طرف سے شائع کیا۔ جس طرح اس کی تصنیف کو حضرت حافظ صاحب کا بہت بڑا علمی و تحقیقی کارنامہ قرار دیا جاتا ہے، اسی طرح اس کی ترتیب و تدوین مولانا محمد صدیق کا نہایت قابل قدر کارنامہ ہے۔

روزانہ مختلف مسائل کے جواب کے لیے تفسیر و حدیث اور کتب فقہ کا مطالعہ کرنا اور ان کے حوالوں سے متعلقہ سوالات کے جواب دینا

لائے گئے ہیں۔

فتاویٰ کی اس جلد کے زیر بحث مسائل میں روایت اور درایت، سدِّ سکندری، دجال، یاجوج ماجوج، اختلافِ ائمہ اربعہ اور اختلاف صحابہ، نیز مذہب اہل حدیث، مسئلہ تقدیر، مولانا مودودی کے افکار وغیرہ شامل ہیں۔ علاوہ ازیں کتاب الطہارت، غسل کا بیان، وضو کا بیان، اذان کا بیان، نماز تہجد، نماز وتر، نماز تراویح وغیرہ بے شمار مسائل اس جلد میں مذکور ہیں۔

بعض ایسے مسائل بھی ہیں کہ جو حضرت حافظ صاحب نے مسائل کے جواب میں اخبار میں شائع کیے، لیکن کسی اہل علم نے ان پر تعاقب کیا جس میں حضرت حافظ صاحب کی تحقیق سے مختلف موقف اختیار کیا اور پھر حافظ صاحب نے اس تعاقب کا جواب تحریر فرمایا۔ اس طرح ایک ہی مسئلہ کئی صفحات میں پھیل گیا اور قارئین کو اس سے بہت سی معلومات حاصل ہوئیں۔

بیانِ مسائل میں حضرت حافظ صاحب نے قرآن و حدیث سے تو استدلال کیا ہی ہے، حنفی فقہ اور دیگر فقہی مسالک کی کتابوں کے بھی متعدد مقامات پر حوالے دیے گئے ہیں اور ان کتابوں کی عربی عبارتیں درج کر کے اردو میں ان کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر کتب لغت کے حوالے دیے گئے ہیں۔ بعض معاملات میں اردو کتابوں اور اردو اخباروں کے حوالے بھی موجود ہیں۔

جلد دوم:

فتاویٰ اہل حدیث کی دوسری جلد کی فہرست مضامین ۲۰ صفحات پر محیط ہے اور اس سے آگے فتویٰ ۷۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ یعنی فہرست مضامین سمیت یہ جلد ۷۶۴ صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس جلد میں بھی جلد اول کی طرح سیکڑوں مسائل (بہ صورت سوال و جواب) بیان کیے گئے ہیں۔ بعض مسائل اتنے مختصر ہیں کہ ایک ہی صفحے میں دو دو تین تین معروض بیان میں آ گئے ہیں اور ایسا بھی ہے کہ ایک ہی مسئلہ کا جواب کئی کئی صفحات میں پھیلتا چلا گیا ہے۔ پھر مسائل میں تعاقب کا سلسلہ اس میں بھی موجود ہے۔

کہ میں نے فجر کی نماز رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پڑھی تو آپ نے سلام کے بعد ہاتھ اٹھائے اور دعا کی۔“
یہ حدیث ضعیف ہے مگر اور روایات عامہ فی الدعاء سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے، اس لیے جوازِ رفع یدین فی الدعاء بعد الصلوٰۃ المفروضہ میں کسی کو کلام نہیں۔ ہاں جو لوگ بعد نماز فرض ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ضروری اور لازمی سمجھتے ہیں یہ ضرور بدعت کے مرتکب ہیں۔ کیوں کہ شرع میں جس امر کا وجوب ضروری ہونا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو اور اُس کو ضروری امر قرار دیا جائے تو وہ ضرور بدعت ہوتا ہے۔ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھانا ضروری طور سے کسی روایت مرفوع، صحیح، حسن سے ثابت نہیں۔ پس فی زمانہ جب کہ عام لوگ رفع یدین فی الدعاء کو بعد نماز فرض ضروری سمجھتے ہیں تو نہ اٹھانا ہی افضل ہے ورنہ جائز ہونے میں کوئی کلام نہیں، اس لیے علامہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واما الذی بعد السلام من الصلوٰۃ مستقبل القبلة او الی المقتدین فلم یکن من ہدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اصلاً ولا رواہ عنہ باسناد صحیح ولا حسن . (زاد المعاد، ج: ۱)
یعنی ”نبی ﷺ کا یہ طریقہ (مستمرہ) نہ تھا کہ آپ بعد سلام کے دعا قبلے کی طرف یا مقتدیوں کی طرف منہ کر کے کرتے ہوں اور نہ ایسا کسی صحیح حسن حدیث میں آیا ہے۔“ واللہ اعلم
ابو محمد عبد الجبار مدرس مدرسہ دار الحدیث کھنڈیلہ جے پور۔
یہ حضرت حافظ عبد اللہ روپڑی کے شاگرد رشید مولانا عبد الجبار کھنڈیلوی کا جواب تھا۔ اب حافظ صاحب کا جواب ملاحظہ ہو:
حضرت محدث روپڑی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے کے متعلق اخبار ”تنظیم اہل حدیث“ میں کئی بار مضمون شائع ہو چکا ہے اور تعدد طرق کی بنا پر بعد نماز ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی حدیث کو ہم نے حسن ثابت کیا ہے بلکہ بعض اسانید حسن لذاتہ ہیں۔ اس لیے ہاتھ اٹھانے میں کوئی خدشہ نہیں بلکہ استحباب ہے۔ ہاں لازمی سمجھنا بری بات اور

بے حد مشکل کام ہے۔ جو علمائے کرام یہ خدمت سرانجام دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی انھیں اس کی جزا دینے والا ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ ایک خط کا جواب نہیں دے سکتے، لیکن علمائے کرام بڑی بڑی کتابوں سے تلاش کر کے کتنے ہی مسائل روزانہ تحریر کرتے اور سائلین کو پوری تحقیق سے جواب دیتے ہیں۔

یہاں حضرت حافظ صاحب کا ایک فتویٰ درج کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یہ فتویٰ نماز فرض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے سے متعلق ہے۔ بعض نمازیوں نے دعا کرنا تقریباً ترک کر دیا ہے۔ وہ نماز پڑھتے ہیں اور سلام پھیر کر فوراً بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ان کے نزدیک ممنوع قرار پا گیا ہے۔ حضرت حافظ صاحب نے اس مسئلے کی اچھی طرح وضاحت فرمادی ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ فضائل اعمال میں ضعاف سے استدلال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

حضرت حافظ صاحب کے نزدیک استدلال کیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں ان دونوں مسئلوں سے متعلق حافظ صاحب کا نقطہ نظر ملاحظہ فرمائیے!

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

(سوال): فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جو امام فرض نماز پڑھ کر دعا نہ مانگے اور فوراً چلا جائے تو اس کی کیا فضیلت ہے؟

(جواب): فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر جو دعا مانگی جائے وہ شرعاً درست ہے۔ بعض روایات میں اس کی تصریح بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ابواسود عامری سے مروی ہے:

عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ الْعَامِرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْفَجْرَ فَلَمَّا سَلَّمَ انْحَرَفَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَدَعَا . (الحديث، رواه ابن أبي شيبة في مصنفه)

یعنی ابواسود عامری رحمہ اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں

اس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے اور حاکم نے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری باب رفع الیدین فی الدعاء میں اس حدیث کی بابت کہا کہ اس کی اسناد جید یعنی کھری ہے اور اس طرح کی حدیث حاکم نے انس رحمہ اللہ سے روایت کی ہے، اس کو بھی حاکم نے صحیح کہا ہے۔ مسند احمد اور ابوداؤد میں مالک بن یسار رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو ہاتھوں کے اندر سے سوال کرو نہ کہ پیٹھوں سے اور جب فارغ ہو تو ہاتھ منہ پر مل لیا کرو۔ اور ترمذی میں عمر بن خطاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تو ان کو بچانہ کرتے جب تک منہ پر نہ مل لیتے۔ اور خاص حدیثوں سے ایک حدیث یہ ہے جس کو ابن سنی نے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں انس رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بندہ ہر نماز کے بعد ہاتھ پھیلا کر مندرجہ ذیل دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اُس کے ہاتھوں کو نامراد واپس نہیں کرے گا۔

اَللّٰهُمَّ اِلٰهِيْ وَ اِلٰه اِبْرٰهِيْمَ وَ اسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ اِلٰه جَبْرِيْلَ وَ مِيْكَائِيْلَ وَ اسْرَافِيْلَ اسْئَلُكَ اَنْ تَسْتَجِيْبَ دَعْوَتِيْ فَانِيْ مُضْطَرٌّ وَ تَعْصِبْنِيْ فَاِنِيْ دِيْنِيْ فَانِيْ مُبْتَلٰى وَ تَنَافِلُنِيْ بِرَحْمَتِكَ فَانِيْ مُذْنَبٌ وَ تَنْفِيْ عَنِيْ الْفَقْرَ فَانِيْ مُتَمَسِّكُنْ .
”اے اللہ! میرے معبود، ابراہیم، اسحاق، یعقوب کے معبود اور جبریل و میکائیل، اسرافیل کے معبود۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری دعا قبول کر۔ کیوں کہ میں لاچار ہوں، دین میں مجھے سایہ رحمت میں لے لے کیوں کہ میں گنہگار ہوں۔ مجھ سے محتاجی دور کر کیوں کہ میں مسکین ہوں۔“

اس حدیث کی اسناد میں عبدالعزیز بن عبدالرحمن ایک راوی ہے جس میں کچھ کلام ہے لیکن فضائل اعمال میں ضعیف غیر موضوع اور غیر متروک پر عمل درست ہے۔ چنانچہ ابن الہمام نے فتح القدر کتاب الجنائز میں اس کی تصریح کی ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے

بدعت ہے۔ اصلاحی طور پر انسان کو ایسا کرنا چاہیے کہ کبھی اٹھالے اور کبھی نہ اٹھائے تاکہ لوگوں کو عملی رنگ میں تبلیغ ہوتی رہے اور اس کے ضروری ہونے کا خیال ان کے دلوں سے نکل جائے۔ کیوں کہ عوام الناس ذرا سختی سے اس کی پابندی کرتے ہیں اور نہ اٹھانے والے پر اعتراض کرتے ہیں بلکہ دوسرے بعض خواص بھی اس میں مبتلا ہیں اس لیے دوام میں نقصان ہے۔ (عبداللہ امرتسری روپڑی، ۲۳ جمادی الاول ۱۴۶۰ھ)

(سوال): نماز کے بعد ہاتھ اٹھانے کے متعلق کوئی صحیح حدیث نہیں تو پھر جو لوگ دعا مانگتے ہیں کیا وہ بدعت کے مرتکب نہیں ہیں؟

(جواب): مشکوٰۃ میں ہے:

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قِيلَ أَيُّ الدُّعَاءِ أَفْضَلُ قَالَ جَوْفَ اللَّيْلِ الْآخِرِ وَدُبْرَ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوباتِ .

یعنی ”ابو امامہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سی دعا زیادہ افضل ہے۔ فرمایا اخیر رات میں اور فرض نمازوں کے بعد“ (رواہ الترمذی)

اس حدیث میں فرضوں کے بعد دعا مانگنے کا ذکر ہے اور اسے خاص قبولیت کے اوقات میں شمار کیا ہے۔ رہا ہاتھ اٹھانا، سو اس کی بابت سیوطی رحمہ اللہ نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں چالیس سے اوپر حدیثیں دعا میں ہاتھ اٹھانے کی بابت لائے ہیں۔ چنانچہ وہ رسالہ سبل السلام شرح بلوغ المرام کے آخر میں ملحق ہو کر طبع ہو چکا ہے اور منقحی کے اوپر بھی ایک رسالہ چڑھا ہوا ہے جو اس سوال کا تسلی بخش جواب ہے۔ یہ رسالہ سید علامہ محمد عبدالرحمن بن سلیمان زبیدی یمانی رحمہ اللہ کا ہے۔ خلاصہ ترجمہ اس کا یہ ہے کہ دعا میں ہاتھ اٹھانے کی بابت عام حدیثیں بھی آئی ہیں اور خاص بھی۔ عام حدیثوں سے ایک یہ حدیث ہے، جس کو ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے سلمان رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ شرم کرتا ہے کہ اس کے ہاتھ خالی موڑے۔

کی مویہ اور احادیث بھی ہوں تو پھر ضعیف ہر طرح سے لائق اعتبار ہو جاتی ہے۔ پس اب فرضوں کے بعد ہاتھ اٹھانے میں کوئی شبہ نہ رہا۔ ہاں اتنی بات ضروری ہے کہ کبھی کبھی ترک کر دینا مناسب ہے کیوں کہ آج کل بعض لوگ اسے لازم سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور جب تک امام دعا نہیں مانگتا اُس کے منہ کی طرف بیٹھے دیکھتے رہتے ہیں۔ اور اگر بغیر مانگے کھڑا ہوا تو اس کو برا مناتے ہیں بلکہ اعتراض کرتے ہیں خاص کر احناف میں تو اس کی بڑی پابندی ہے کہ خواہ خالی ہاتھ اٹھا کر منہ پر لیں مگر ملتے ضرور ہیں اور ختم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ کرتے ہیں۔ حالاں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ دعا ختم آمین کے ساتھ کرنی چاہیے، چنانچہ یہ احادیث سے ثابت ہے۔ اس سے کم و بیش بالکل نہ کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اللہ کی رضا رسول کی اتباع میں ہے نہ کہ غیر کی اتباع میں۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي﴾ الآية

عبداللہ امرتسری روپڑی

۲۱ محرم ۱۳۸۰ھ ۲۲ جولائی ۱۹۶۰ء



ضرورت ہے

لاہور کی وقیع لائبریری کے لیے متشرع و متدرین علمی ذوق کے حامل ایک لائبریرین کی ضرورت ہے جو خوشخط، عربی کمپوزنگ اور کمپیوٹر بھی جانتا ہو۔

لاہور کی رہائش قابل ترجیح ہے۔

تنخواہ حسب لیاقت

امیدوار درخواست اپنے ہاتھ سے لکھ کر ارسال کریں۔

ابوالعباس، معرفت مفت روزہ الاعتصام

۳۱۔ شیش محل روڈ، لاہور

نکت علی ابن صلاح میں لکھا ہے کہ ابن ماجہ کے شاگرد ابوالحسن قتان جو اہل غرب کے حفاظ محدثین سے ہیں، بیان وہم والہام میں فرماتے ہیں کہ ضعیف حدیث کے ساتھ فضائل اعمال میں عمل کیا جاتا ہے۔ اور امام نووی رحمہ اللہ نے اذکار میں کہا ہے کہ فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث کے ساتھ عمل جائز بلکہ مستحب ہے۔ اور امام نووی نے اپنی اربعین میں کہا ہے کہ سب کا اس پر اتفاق ہے الا من شذ مثل ابن العربی۔ اس کے علاوہ ایک اور حدیث اس کو تقویت دیتی ہے جو ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اسود عامری کے باپ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو ہماری طرف پھرے اور دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی۔ اور آئمہ حدیث نے ذکر کیا ہے کہ ضعیف حدیث ضعیف کے ساتھ مل کر معتبر ہو جاتی ہے اور امام جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالہ فض السوءاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء میں بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ کہا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رحمہ اللہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز سے پہلے دعا مانگ رہا ہے۔ جب وہ دعا سے فارغ ہوا تو عبداللہ بن زبیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوتے۔ راوی اس حدیث کے ثقہ ہیں۔

یہ اس رسالے کا خلاصہ ہے۔ اس طرح ایک فتویٰ وہ بھی ہے جو مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی اور علمائے دہلی مولانا نذیر حسین صاحب اور اُن کے صاحب زادے مولانا شریف حسین صاحب، مولانا حفیظ اللہ صاحب، مولانا عبدالرب صاحب اور مولانا احمد حسن صاحب مصنف احسن التقاسیر سب کا متفقہ فتویٰ ہے۔ رسالہ جرح و تعدیل تصنیف مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کے آخر میں ملحق ہے۔ غرض اس خصوص میں کئی علماء نے رسائل اور کئی فتاویٰ لکھے ہیں، جن کا خلاصہ دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ضعیف سے استحباب ثابت ہو سکتا ہے اور اس پر عمل درست ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب ضعیف حدیث

تبصرہ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دوشنوں کا آنا ضروری ہے

میں لکھا اور خوب لکھا۔ وہ قدیم و جدید پر ماہرانہ نظر رکھتے تھے اور اپنے نقطہ نظر کی دلنشین الفاظ میں وضاحت کرتے تھے۔ عمر بھر ان کا قلم بھی صفحاتِ قرطاس پر رواں رہا اور زبان بھی نہایت صفائی کے ساتھ کلمہ حق کا اعلان کرتی رہی۔ دوسرے الفاظ میں کہنا چاہیے کہ وہ گفتار اور تحریر دونوں کے غازی تھے۔ اعلانِ صداقت میں نہ کبھی زبان میں لغزش آئی اور نہ قلم کسی مصلحت کا شکار ہوا۔

اعلائے کلمہ حق ان کا شیوہ اور ابطالِ باطل ان کا پیشہ تھا۔ وہ برصغیر کے عظیم خاندان کے عظیم رکن تھے۔ ”مقالاتِ راشدیہ“ کا زیرِ نظر مجموعہ ان کی حق گوئی کا بہت بڑا مظہر ہے۔ اس پر تقریظ ان کے صاحب زادہ گرامی سید قاسم شاہ راشدی نے لکھی، پروفیسر مولانا بخش محمدی نے بڑا جان دار مقدمہ تحریر فرمایا اور جمع و تدوین اور ترتیب کا فریضہ محترم المقام مولانا افتخار احمد ازہری نے انجام دیا۔ اتنی بڑی کتاب کی پروف ریڈنگ اور تصحیح ایک اہم مسئلہ تھا، اس میں مولانا افتخار احمد ازہری کے تدریسی ادارے ”جامعہ بحر العلوم السلفیہ“ کے لائق احترام اساتذہ نے ان کی مدد کی۔

مولانا افتخار احمد ازہری کو راشدی خاندان کے اصحابِ علم سے گہرا قلبی لگاؤ ہے۔ اس سے قبل وہ اپنے مجلے بحر العلوم کا ایک ضخیم نمبر ”شیخ العرب والعجم“ کے نام سے شائع کر چکے ہیں، جو سید بدیع الدین راشدی کی خدماتِ بوقلموں کا دلاویز شاہ کار ہے۔ اور اب انھوں نے اسی مجلے کا ایک اور ضخیم نمبر ”محدث العصر“ کے نام سے مرتب کیا ہے، جس میں حضرت سید محبت اللہ شاہ راشدی کی خدماتِ جلیلہ کا تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے، یہ نمبر طباعت کے مرحلے سے گزر رہا ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی خواندگانِ محترم کے مطالعہ میں آئے گا۔

مقالاتِ راشدیہ (جلد اول)

تصنیف: سید محبت اللہ شاہ راشدی

ناشر: نعمانی کتب خانہ، حق سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔

دیدہ زیب سرورق، مضبوط جلد، بہتر کاغذ،

اچھی کمپوزنگ، خوب صورت طباعت، بڑا سائز۔

ضخامت: ۵۰۴ صفحات

قیمت: درج نہیں

تبصرہ نگار: محمد اسحاق بھٹی

صوبہ سندھ کے راشدی خاندان کو علم و ادراک اور تقویٰ و صالحیت میں خاص شہرت حاصل ہے۔ کئی پشتوں سے اس خاندان کے مختلف ارکان تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے میدان میں جلوہ افروز ہیں اور حالات کی روشنی میں بہترین کارنامے سرانجام دے رہے ہیں۔ ماضی قریب میں اس دودمانِ عالی قدر کے دو بھائیوں (سید محبت اللہ شاہ راشدی اور سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ) نے جو علمی تگ و تاز کی اسے تاریخِ خدمتِ دین کے زریں باب کی حیثیت حاصل ہے۔ ان سطور میں سید محبت اللہ شاہ راشدی کی ایک کتاب ”مقالاتِ راشدیہ“ کا تعارف کرانا مقصود ہے، لیکن اس سے پہلے چند الفاظ میں خود صاحب کتاب کے متعلق عرض کرنا ضروری ہے۔

سید محبت اللہ شاہ راشدی جنھیں ”صاحب العلم السادس“ کہا جاتا تھا، ۲ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو پیر جو گوٹھ (ضلع حیدر آباد) میں پیدا ہوئے اور فضل و کمال کے بلند مرتبے تک پہنچے۔ ۲۱ جنوری ۱۹۹۵ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔ انھوں نے عربی، اردو، سندھی تینوں زبانوں

عبدالوہاب رحمہ اللہ۔ ایک مجدد..... اس باب میں امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کا تذکرہ بھی آ گیا ہے اور مملکت سعودی عرب کی تاریخ بھی آ گئی ہے۔

اسی باب میں صفحہ ۴۴۶ سے لے کر صفحہ ۴۵۲ تک حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کا تذکرہ ہے۔ پھر صفحہ ۴۵۳ سے آگے حضرت سید محبت اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ نے مختصر انداز میں پہلے اپنے حالات قلم بند کیے ہیں، بعد میں موجودہ دور کی یونیورسٹیوں میں جس انداز میں تعلیم دی جاتی ہے، اس کا تذکرہ کیا ہے، جو لائق مطالعہ ہے۔

کتاب کے مختلف مقامات میں سوال، جواب کی صورت میں بھی دلچسپ بحثیں آ گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مصنف کو جنت الفردوس نصیب فرمائے اور مرتب اور ناشر کو اس خدمت علمی پر جزائے خیر سے نوازے، آمین۔

مقالات راشدیہ کی اس جلد میں جن مقالوں کا اندراج عمل میں آیا ہے، انہیں پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر باب کئی کئی صفحات پر مشتمل ہے۔ باب اول عقائد سے متعلق ہے اور اس میں سولہ مسائل معرض بیان میں لائے گئے ہیں۔ مثلاً کیا عیسیٰ علیہ السلام کے والد تھے؟ عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے پیدائش کی پہلی دلیل۔ پھر یہ سلسلہ آگے چلتا ہے جو قارئین کو بہت سی معلومات سے آگاہ کرتا ہے۔

باب دوم میں نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی فرضیت، تقلید اور مقلدین وغیرہ امور پر بحث کی گئی ہے جو خالص علمی نوعیت کی بحث ہے۔ یہ باب متعدد اہم مباحث کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے جو صفحہ ۶۰ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۹۶ تک پھیلا ہوا ہے۔

پھر باب سوم، باب چہارم اور باب پنجم آتے ہیں۔ باب پنجم شخصیات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا بڑا عنوان ہے ”امام محمد بن

ہفت روزہ ”الاعتصام“ لاہور

نرخ نامہ اشتہارات فی اشاعت

- ④ نصف صفحہ نیوز 750 روپے
- ⑤ چوتھائی صفحہ نیوز 400 روپے
- ⑥ عام چھوٹے اشتہارات 300 روپے

- ① آخری صفحہ نائٹل 2400 روپے
- ② اندرون صفحہ نائٹل 1800 روپے
- ③ فل صفحہ نیوز 1400 روپے

❁..... ”الاعتصام“ میں اشتہار لگوائیں اور اپنی تجارت کو فروغ دیں۔ ❁..... اشتہار خوش خط، مختصر اور معاوضہ ہمراہ ارسال کریں۔
❁..... مسلسل اشاعت (کم از کم 6 ماہ) 20 فی صد خصوصی رعایت۔ ❁..... ”الاعتصام“ سے تعاون آپ کا اخلاقی فریضہ ہے۔

رابطہ کے لیے: دفتر ہفت روزہ الاعتصام سٹیشن محل روڈ، لاہور، فون: 042-37354406

مولانا محمد ابراہیم خادم قصوری کی تازہ تالیف

مولانا پروفیسر محمد ابراہیم خادم قصوری صاحب کی تازہ تالیف ”المسک المختوم“ شائع ہوگئی ہے۔ مؤلف موصوف نے ابتدائی صفحات میں اپنے متعلق حالات و واقعات تحریر کیے ہیں۔ اس کے بعد سیرت رسول ﷺ، سیرت سید الانبیاء، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق والہانہ مضامین و اشعار تحریر فرمائے ہیں۔ خطباء و واعظ حضرات کے لیے ایک تحفہ ہے۔
(محمد اسحاق خادم قصوری، جامعہ ابراہیمیہ اہل حدیث کنگن پور، ضلع قصور۔ فون: 0300-6596434)



مرکز الدعوة السلفیہ ستیانہ کے اعزازات

مرکز الدعوة السلفیہ ستیانہ بگلہ فیصل آباد کے درج ذیل طلباء نے مختلف مدارس کے علمی و دینی پروگراموں میں پوزیشنیں حاصل کی ہیں۔
جامعہ سلفیہ اسلام کے مسابقہ حفظ الحدیث میں
۱: حافظ عثمان شاکر (دوسری پوزیشن -/7000 روپے)
۲: قاری یحییٰ حسن (تیسری پوزیشن -/5000 روپے)
۳: قاری عطاء اللہ اور قاری عبدالمنان (مبلغ ہزار روپیہ انعام)
اسی طرح وفات المدارس کے امتحانات میں قاری عطاء اللہ اول رہے نیز مبلغ -/10,000 روپے اور محمد شمعون نے دوسری پوزیشن اور مبلغ -/7000 روپے انعام حاصل کیے۔ (شعبہ النادی الادبی مرکزی ہذا)



جناب شہادت طور کی عمرے پر روانگی

ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث کے منبر محترم شہادت طور صاحب عمرہ کی ادائیگی کے لیے گزشتہ دنوں سعودی عرب روانہ ہو گئے۔ ان کی عدم موجودگی میں حافظ عبداللطیف ذمہ داریاں سرانجام دیں گے۔ (ادارہ تنظیم اہل حدیث لاہور)



سیرت امام الانبیاء کانفرنس

پراچہ کالونی چوک شاہدرہ ٹاؤن لاہور میں سیرت امام الانبیاء ﷺ کانفرنس ۱۹ جون بروز اتوار بعد نماز مغرب منعقد ہوگی۔
زیر صدارت: رانا محمد نصر اللہ خاں امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث لاہور۔
مقررین: قاری محمد حنیف ربانی صاحب، مولانا محمد یوسف پیسوری صاحب، مولانا قاری محمد بنیامین عابد صاحب، مولانا عمر فاروق شاکر صاحب، مولانا نصیر عثمانی صاحب، مولانا عبدالمنان سلفی صاحب، مولانا قاری بلال تبسم صاحب، مولانا عثمان مدنی صاحب۔
(مولانا) مشتاق احمد گل، ناظم تبلیغ مرکزی جمعیت اہل حدیث راوی ٹاؤن، لاہور۔ فون 0323-4793334

تعاون کی درخواست

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ڈاکٹر محمد بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ تاریخ اہل حدیث اور تحریک ختم نبوت کے پرائیکٹس پر کام کر رہے ہیں اور تین ہزار صفحات پر مشتمل تاریخ اہل حدیث کی چار جلدیں انڈیا میں شائع ہو چکی ہیں جب کہ تاریخ اہل حدیث کی پہلی جلد کا دوسرا ایڈیشن پاکستان میں زیر طبع ہے۔ اور دوسری جلد کے دوسرے ایڈیشن کے لئے نظر ثانی کے ساتھ ساتھ پانچویں جلد بھی زیر تالیف ہے۔ اور ارادہ ہے کہ سات ہزار صفحات پر مشتمل دس جلدوں میں اس مہتمم بالشان منصوبے کو مکمل کیا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

ادھر تحریک ختم نبوت کی انڈیا میں سات جلدیں شائع ہو چکی ہیں جب کہ پاکستان میں چھ ہزار سے زائد صفحات پر بارہ جلدیں زیر طبع سے آراستہ ہونے کے بعد تیرہویں چودھویں اور پندرہویں جلدیں زیر طبع ہیں۔

تحریک ختم نبوت کی جلد سولہ، سترہ، اٹھارہ، انیس، اور بیس کی ترتیب و تالیف کا کام مختلف مراحل میں ہے۔ اور ارادہ ہے کہ بارہ ہزار صفحات پر مشتمل پچیس جلدوں میں اس مہتمم بالشان منصوبے کو مکمل کیا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ و بیدہ التوفیق

یہ کام اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ توفیق اور اہل ذوق احباب کے تعاون سے ہو رہا ہے کیونکہ ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کے پاس نہ کوئی ذاتی ذخیرہ کتب ہے، نہ کوئی لائبریری ان کی دسترس میں ہے اور خرابی صحت انہیں دینی اداروں اور اہل علم کی لائبریریوں میں استفادہ کی غرض سے سفر کرنے سے بھی روکے ہوئے ہے۔

بنابریں ڈاکٹر صاحب تاریخ اہل حدیث اور تحریک ختم نبوت سے متعلق ضروری مواد کے حصول کے لئے اہل کرم کے دروازوں پر دستک رہتے ہیں جیسا کہ پچھلے دنوں پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی میں اخبار اہل حدیث امرتسر کی نومبر ۱۹۰۳ء سے نومبر ۱۹۱۲ء تک کی فائلوں کیلئے درخواست کی گئی تھی۔ اس درخواست کے شائع ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے من حیث لا یحتسب کے خزانوں سے کچھ مواد تک رسائی دے دی ہے، اور ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر کی مذکورہ بالا فائلوں میں سے اب صرف درج ذیل کی ضرورت باقی رہ گئی ہے؟

- ⊙ اخبار اہلحدیث امرتسر جلد دوم، شمارہ نمبر ایک۔ یعنی ۴ نومبر ۱۹۰۴ء کا شمارہ۔
 - ⊙ اخبار اہلحدیث امرتسر جلد سوم، مکمل کی ضرورت ہے۔ یعنی ۱۰ نومبر ۱۹۰۵ء تا ۳ نومبر ۱۹۰۶ء کے شمارے۔
 - ⊙ اخبار اہلحدیث امرتسر جلد چہارم کے ۳۰ نومبر ۱۹۰۶ء؛ ۲۲ مارچ ۱۹۰۷ء، ۲۰ ستمبر ۱۹۰۷ء؛ ۲۷ ستمبر ۱۹۰۷ء یعنی چار شمارے۔
 - ⊙ اخبار اہلحدیث امرتسر جلد پنجم، مکمل کی ضرورت ہے، یعنی یکم نومبر ۱۹۰۷ء تا ۳۰ اکتوبر ۱۹۰۸ء کے شمارے۔
 - ⊙ اخبار اہلحدیث امرتسر جلد نہم کے ۲۔ اگست ۱۹۱۲ء؛ ۲۰ ستمبر ۱۹۱۲ء؛ ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء؛ یکم نومبر ۱۹۱۲ء یعنی چار شمارے۔
- تمام اعیان ملت اور اہل علم حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ اس کار خیر اور علمی کام میں حصہ لیتے ہوئے جہاں کہیں بھی مذکورہ بالا شمارے دست یاب ہوں، وہ اصل نسخہ کی صورت میں، یا فوٹو کاپی کی صورت میں بہم پہنچا کر شکریہ کا موقع دیں۔ اس سلسلے میں اٹھنے والے اخراجات ان شاء اللہ ہم ادا کریں گے اور آپ کے اس حسن تعاون کا ذکر خیر تاریخ اہل حدیث میں محفوظ ہوگا۔ و جزاکم اللہ خیراً

(مولانا) شیر خان جمیل احمد عمری۔ برطانیہ

00447967106987; shairkhanjameel@yahoo.co.uk

محمد سہیل گورداسپوری (0300-7594891)

لا الہ کے بھید

کچھ مصلحت شناس ہیں کچھ کشتہ فرنگ
کچھ دیکھتے ہیں اپنے زمانہ کے رنگ ڈھنگ
ان میں بہت سے لوگ سیاست گزیدہ ہیں
جن کے تخیلات ابھی نارسیدہ ہیں
کچھ ہیں فسوں شاہی و پیری کے پھیر میں
کچھ اس خیال میں ہیں کہ چونکیں گے دیر میں
کتنوں کو ربط ہے فقہی رخصتوں کے ساتھ
وابستہ کتنے لوگ ہیں کچھ نسبتوں کے ساتھ
کچھ بے خبر بھی ان میں ، کچھ اہل خبر بھی ہیں
کچھ سادہ لوح بھی ہیں ، کچھ اہل نظر بھی ہیں
کچھ صاحبانِ جبہ و دستار و دلق ہیں
جو اپنے آستانوں پہ ”معبودِ خلق“ ہیں
کچھ اس غرور میں کہ ہمیں ”اہل ذکر“ ہیں
آگاہ سرِ دین ہیں ، اربابِ فکر ہیں
کتنوں کے ایک لفظ پہ تیور بگڑ گئے
کچھ اپنی شخصیت کے تصور پہ اڑ گئے
تہمت تراش ان میں ہیں اور کچھ ہیں بے یقین
کچھ فطرتاً شریر ہیں کچھ ہیں مذہبین
کچھ چاہتے ہیں صرف دعاؤں سے انقلاب
کچھ کھا رہے ہیں آپ ہی بے وجہ پیچ و تاب
جو چاہتے ہیں راہ میں بکھرے ہوئے ہوں پھول
وہ آزمائشوں کے تصور سے ہیں ملول
مارے ہوئے ہیں ان میں بہت خانقاہ کے
سمجھے نہیں ہیں بھید ابھی ”لا الہ“ کے

(ماہر القادری)